Tarik-i-Khandan-i-Usmaniyyah.
by
Md. Insha allah.
2 Vols. (in One)

حسب ضابطہ رجسٹری کرائی گئی ہے

تاریخ خاندان عثمانیہ

جلد اوّل

از ابتداء تا بعہد حکومت سلطان محمد چہارم

مؤلفہ
و مرتبہ مولوی محمد انشاء اللہ زمیندار انعام آباد
ضلع گوجرانوالہ
سابق ایڈیٹر وکیل امرتسر حال ایڈیٹر وطن لاہور

بار دوم

حمیدیہ سٹیم پریس لاہور میں طبع ہوئی
قیمت فی جلد .... دو روپیہ

فہرست ابواب

ناظرین

اڈیشن ختم ہوتا ہے۔ اب یہ کتاب دوسری
چھاپی جاتی ہے۔ والسلام

مخلص بندہ محمد انشاء اللہ عفی عنہ
نومبر ۱۹۰۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونستعینہ ونصلی ونسلم علی نبیہ الکریم

تاریخ خاندان عثمانیہ

از ابتدائے تا بعہد حکومت سلطان عبد العزیز خان شہید

تمہید

شہزادی لوسگنان نے ہمارے موجودہ امیر المومنین سلطان عبد الحمید خان غازی کے عہد حکومت
کے سوانح [illegible]ء تک اگرچہ نہایت ہی جامع طور پر حسب ضرورت موقع اختصاراً یا تفصیل کے ساتھ
اپنی کتاب مین درج کر دیئے ہین۔ اور خاکسار مترجم نے متن کتاب بست سالہ عہد حکومت مین جا بجا
حواشی دیدیئے اور کتاب کے آخر متعدد ضمیمے ایزاد کر دینے سے اس مسعود و محمود عہد کے [illegible]ھ تک
واقعات و حالات تا بہ سن رواں اور حضرت امیر المومنین کی پرائیویٹ لائف کے متعلق چند کو ان
کی کوشش کی ہے تاہم جب تک اس سلطنت عظمی کی ابتدا سے لیکر اب تک کی کم از
نہ ہو جس سے اوسکے وہ تعلقات جو یوروپ کی عیسائی طاقتون کو رہے ہین۔ اور نیز جس
جد و جہد جو وہ اس اسلامی طاقت کے برباد کرنے کے لیئے کرتے رہے ہین۔ اچھی طرح
صرف ایک ہی عہد حکومت کے واقعات اور حالات کے پڑہنے سے یوروپ کی عیسائی
پالیسی کا سمجھنا۔ اوس فرمانروا کی مشکلات کا اندازہ لگانا اور ساتھ ہی اوسکی
لیاقت خداداد کی داد دینا اور اون احسانات کا احاطہ کرنا جو اوس نے اپنی
ناممکن سے ہے۔ اس لیئے مین اپنے اردو خوان ملکی بھائیون کے سامنے سا
پیش کرنا مناسب سمجھتا ہون۔ جو امور متذکرہ بالا پر حاوی ہو۔ اور جس
رہ سکے پہلے واقعات اور فتوحات وغیرہ کے قصے افسانے ہی درج
کے عہد حکومت کے نتیجہ خیز واقعات پر منصفانہ بحث اور نکتہ چینی
عثمانیہ کی کوئی جامع تاریخ موجود نہین۔ اور اگر ہوتی بھی تو وہ اس
تھی۔ کیونکہ فن تاریخ مین یہ نئی جدت صرف زمانہ حال کی یو
سوائے چند عربی مورخین کے اب تک اس سے بہرہ

ناظرین کے سامنے پیش کرنے کے لیئے بھی مجھے ایک یور پین مورخ (اڈمنڈ اولیور صاحب) کا
احسان ہونا پڑا ہے۔ جنھوں سر اڈورڈ کریسی صاحب کی طرح اکثر عیسائی مورخین کے برخلاف اس
اسلامی سلطنت کے واقعات تحریر کرنے مین حتی المقدور تعصب اور ضد کو اپنے قریب نہین پھٹکنے دیا
اور جہان تک ایک عیسائی سے توقع ہو سکتی ہے۔ انصاف و دیانت سے کام لیا ہے۔ اس مختصر سی تمہید
کے بعد مین اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہون۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان +

بابِ اوّل

قوم عثمانیہ کا حسب و نسب۔ صحاری تاتار ان کا مبداء و مخزن ہین۔ انکا آرمینیا
اور ایشیاء کوچک مین آباد ہونا۔ ترکون کا عربون سے راہ و رابطہ پیدا
اور اس کی طفیل اسلام کی برکتون سے مستفید ہونا۔ ایشیاء کوچک
کی تسلط کا قیام۔ ارطغرل کا کامیاب و بامراد عہد حکومت۔ عثمان غازی
ت۔ ترکی مقبوضات کا دار الخلافہ بروصہ مقرر کیا گیا۔ یونانی سلطنت
جو دھوین صدی مین اوسکی ردی حالت۔ تخت قسطنطنیہ کا ایک
امداد کے لیئے ترکون کو یورپ مین بلاتا ہے۔ ارخان اور
نیون کے زیر حکومت ترکون کی فتوحات۔ کسووا ز واقع
ئیون کو ہزیمت فاش۔ مراد اول کی وفات۔ ینگچری یا ینی
اجانا۔ ترکی اوضاع و اطوار۔ سلطان بایزید یلدرم کے
ی کا تیمور سے شکست پانا۔ تاج عثمانیہ کا کچھ عرصہ کے
وّل کا عہد حکومت۔ مراد ثانی اور اوسکی ہنیطیر فتحیابیان
سپہ سالار جان ہنیاڈ اس کے ساتھ معرکہ آرائیان۔
ر اوسکے رفقاء کی بے ایمانی۔ بمقام وارنا ۱۴۴۴ء
ش کھانا۔ سکندر بیگ نمکحرام کے عجیب و غریب
ت۔ پندرھوین صدی کے وسط مین سلطنت عثمانیہ
۔ محمد ثانی کی زیر حکومت ترکون کی مجال

تحسین مستعدی۔

ترکی مورخین مثلاً خیر الدین آفندی وغیرہ آل عثمان کی نسبت بیان کرنے مین ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہین۔ بعض لکھتے ہین کہ وہ عیص[1] بن اسحٰق کی نسل سے ہین۔ بعض کہتے ہین کہ وہ۔ بنی قطورہ (عرب کا ایک قبیلہ) مین سے ہین۔ اور قحط کی وجہ سے حجاز سے نکلکر قرمان مین جابسے تھے۔ اور بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ وہ ان دونون قومون کے اختلاط سے پیدا ہوئے ہین۔ مگر تینون قیاس صحیح نہین۔ اگر ترکی قوم کی اصل کو دریافت کرنا ہو تو اوسے اونہی ممالک مین تلاش کرنا چاہیئے۔ جہان سے اون کے جانی دشمن روسیون نے نکل کر شمالمشرقی یوروپ کو آباد کیا ہے۔ یہ دونون قومین ایک ہی جگہ یعنی سیدیا۔ یا (تاتار) کے صحرائے ذخار سے نکلی ہین۔ دونون کلاً یا جزاً بعید ترین واسطے تاتاری الاصل ہین۔ اور دونون مین چند قومی خصائل مشترک[2] ہین۔

تاتاریون کا ذکر آجانے پر یہ بتادینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ تاتاری جو روسیون اور ترکون کے آبا و اجداد ہین۔ اون مغل تاتاریون سے بالکل مختلف اور علیحدہ ہین۔ جو

[1] ایک ایشیائی مورخ لکھتا ہے کہ عیص پسر اسحٰق نبی تھے۔ اور سلاطین روم الکبرٰے اون کی اولاد سے تھے
کے پانچ بیٹے تھے۔ جن مین سے ایک مسمی ردوم تھا۔ جس کی نسل سے ردمی ہین۔ مگر یہ غلط ہے۔ بنوا
یا رومیون سے کبھی کوئی تعلق نہین ہوا۔ البتہ حضرت عیص یا عیصو نے جو حضرت یعقوب
اور اون کی اولاد نے یروشلم کے قریب ادوم کی ریاست قائم کی تھی۔ جو کسی زمانہ مین
رہچکی ہے۔ محمد عباس صاحب مورخ مذکور نے شاید ادوم کو روم سمجھ لیا ہے۔ اس
کے فرضی بانی کا نام رومولس یا روم بتایا جاتا ہے۔ مگر اوس کی پیدائش ۷۵۳ء قبل
اون کو ادوم بھی پکارا جاتا ہے۔ اور جہان تک محقق ہوا ہے۔ روم اون
[2] کاش کہ وہ مذہب مین بھی مشترک ہوتین۔ جس سے ایک یہی فائدہ نہ ہوتا
جنگ سے جو کئی صدیون سے اون مین کم و بیش تعفون کے ساتھ ہوتا چلا
وہ اپنی متفقہ کوششون سے یوروپ کے ظلمت کدہ کو اسلام کی نور
گر مشیئت ایزدی مین کسی کو مجال دم زدن نہین۔ روس مین سب
بحری لٹیرے مسمی ررک نے جو بت پرست تہا۔ ۸۶۲ء مین قائم کی
اوس کے پرپوتہ ولیڈیمر کے عہد مین ہوا۔ جو اپنے باقی دد ہالیون

جنوبی روس مین آبسے۔ اور جو چین کے ایک زمانہ مین حکمران رہچکے ہین۔ اور جن کے شاہان مغلیہ ہندوستان ہمنام تھے۔ گو دوسری باتون مین بھی ان سے مختلف ہون۔ مغل تاتار اوسی نسل مین سے تھے۔ جس مین سے کہ چینی لوگ ہین۔ ان کے رنگ زرد۔ ڈاڑھی پتلی۔ رخسارے کی ہڈی اُبھری ہوئی۔ ناک چپٹی اور آنکھین چھوٹی چھوٹی ہین۔ اصل تاتاری بنی نوع انسان کی کاکیشن شاخ کی نسل ہین۔ جو شاخ اکثر یورپین اور ایشیائی قومون کی مخزن ہے۔ تاتاری خاندان پھر خود کئی شاخون مین منقسم ہوگیا۔ جن مین سے ایک بڑی شاخ ترکون کی ہے۔ ان لوگون کے کئی قبیلے کچھ عرصہ تک ایشیا مین پھرنے پھرانے کے بعد ساتوین صدی عیسوی مین یورپ والون سے آشنا ہوئے۔ جب کہ ہرقلیس شہنشاہ مشرق نے اونکو اپنی ملازمت مین داخل کیا۔ یہ اس وقت بحیرہ اسود اور جھیل کاسپین کے درمیانی ملک یعنی آرمینیا مین کوہ قاف کے قریب مقیم تھے۔ ہرقلیس کو خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ سپاہیون کا بہت عمدہ کام دے سکین گے اور اوس کا یہ خیال غلط ثابت نہ ہوا۔ اوسکے ترکی سپاہیون نے ہر موقعہ پر ایسی جان نثاری دکھائی اور ایسی داد شجاعت و مردانگی دی۔ کہ نوین صدی مین خلفائے عباسیہ نے اون کو اپنی فوجون

صفحہ ۳)، کل سلطنت کا واحد مالک ہوگیا۔ یہ اوائل مین پکا بت پرست تھا۔ لیکن اہل کتاب اور مسلمانون کی قربت ...نے رفتہ رفتہ اوس کے خیالات کو بدل دیا۔ اور وہ مسلمان ہونے کو بالکل تیار ہی تھا کہ ہمارے ...ر عابد و زاہد عیسائی پادریون نے جاہل و عیش پرست و لیڈر کو دختِ رز کے وصال ...ت دیکر جس کا وہ عاشق زار تھا۔ عیسائی بنا لیا۔ اور اوس کے ساتھ ہی اوس کی قوم بھی ...مسلمانون سے اوس نے بار بار استدعا کی کہ مجھے شراب کی اجازت دیجائے۔ یہ مجھ ...سلمان علماء نے صاف صاف کہدیا کہ جب تک مے نوشی قطعاً ترک اور آیندہ کے ...ب تم مسلمان نہین ہوسکتے۔ الغرض ان نیک بخت مسلمانون کے اپنے پاک مذہب ...م رہنے سے خدا کے فرزند ہونے کا دعوے کرنے والے ایماندار مسیحی ...شاہ اور اوس کی کثیر التعداد قوم کو اپنا مرید بنا لینے کا موقع ملگیا۔ مگر ہم ...کرنا چاہیئے۔ اس مین بھی ضرور رب کریم کی کوئی حکمت بالغہ پنہان ہوگی۔ ...رومۃ الکبرٰے کی سلطنت آخری زمانہ مین دو حصون پر منقسم ہوگئی تھی ...وہ مشرقی سلطنت کے نام سے موسوم ہوا۔ دوسرے حصہ کا نام مغربی ...ی ہی رہا۔ مؤلف۔

مین بھی بہ تعداد کثیر بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت تک ان کا مذہب کسی قدر زردشتی (آتش پرستی)، اور کسی قدر تاتاری گروہون کے مختلف اعتقادی روایتون اور رسم و رواج کا عجیب و غریب بے جوڑ میل کھچڑی تھا۔ مگر عربون اور ایرانیون کے ساتھ ربط و ضبط پیدا ہونے سے اسلام کی خوبیان اور برکتین اون پر ظاہر ہونے لگ گئین۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ اور اسلام قبول کرنے کے وقت سے لیکر اب تک مقدس مذہب اسلام کے سچے خدمت گذارون اور مستعد معاونون مین سے رہے ہین۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ جنگجو اور زبردست آزاد گڈریون کی قوم تھی۔ جو جارجیا اور آرمینیا کے بڑے بڑے میدانون مین ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتی رہتی تھی۔ مگر ساتھ ہی جیسے امیر مشرقی شاہی شان و شوکت سے اپنے عالیشان دربار کو ہمیشہ آراستہ و پیراستہ رکھتے تھے۔ بعد ازان اونھون نے بدویت چھوڑ کر شہریت اختیار کر لی۔ اور دسوین صدی عیسوی کے وسط پہلو ہی مصر مین اپنا ایک آزاد حکمران خانوادہ قائم کر لینے اور عباسیہ خلفار کے تقرر اور تنزل پر پورا اقتدار پا لینے سے اون مین اس قدر امنگ پیدا ہو گئی کہ ایرانی اور یونانیون کے ساتھ جو خلافت عباسیہ پر آنکھ رکھے ہوئے تھے۔ ایک تیسرے دعویدار سلطنت ہو گئے۔

ترکمانون کا خاندان سلجوقیہ اس وقت مصر شام اور ایشیار کوچک پر حکمران تھا۔ ان ممالک مین سے ایشیار کوچک[1] پر سلطان سلیمان سلجوقی فرمانروا تھا۔ جسنے گیارھوین صدی کے اخیر پر یورپ کو اپنی طاقت و جبروت کے کئی کرشمے دکھائے۔ اوس کے زمانہ مین قسطنطنیہ کے تخت کا دو عیسائی شاہزادون نے دعوی کیا۔ ان مین سے ایک نے اپنے ہمسایہ سلطان سلیمان سے مدد طلب کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بہادر ترکون کو اس نواح مین اور مزید ملک ملگیا۔ جس سے عیسائی اقوام یورپ کے دلون مین بہادر ترکمانون کی یہ فتحمندیان دیکھ کر سخت اندیشہ پیدا ہو گیا۔ مگر مجسم قہر خدا چنگیز خان کے تاخت و تاراج نے جس کی عظیم الشان سلطنت حدود چین سے شروع ہو کر سرحد جرمنی اور پولنڈ پر ختم ہوتی تھی۔ برائے چندے نہ صرف عیسائی مقبوضات کو ترکمانون کی پیشقدمی سے محفوظ کر دیا بلکہ خود اون کی حکومت کو بھی بہت کچھ کمزور بنا دیا۔ لیکن ایشیار کوچک کے جوانمرد ترک جن کا صدر مقام اکونیم[2] تھا

---

[1] ترکی ایشیائی کوچک کو روم کہتے ہین۔ کیونکہ یہ ایک وقت رومن سلطنت کا ایک جزو تھا۔ مؤلف [2] اس کا موجودہ نام قونیہ ہے۔ اس کو بقعہ فلاطون بھی کہتے ہین۔ کیونکہ حکیم افلاطون یہین مدفون ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی اور کثیر دیگر مشائخ صوفیہ کے مزار بھی اسی شہر مین ہین۔ مؤلف

مین تھا۔ چنگیز خان کے وفات پاتے ہی پھر بہت جلد سنبھل گئے۔ اور اپنی قلمرو کی حدود کو فوراً سنبھال لیا

۱۲۲۴ء مطابق ۶۲۱ھ مین سلاطین آل عثمان کا ابوالاباء اور اوغوز ترکون کا سردار سلیمان شاہ مغلون کے حملون سے بتنگ آکر خراسان سے آرمینیا مین چلا آیا۔ اور وہان سے چنگیز خان کی وفات کے بعد ۶۲۴ھ ہجری المقدس کو اپنے مغربی ترک بھائیون کی مدد کے لیئے جن کے فرمانروا سلطان علاؤ الدین سلجوقی شاہ قونیہ پر اس وقت خوارزم شاہیون نے چڑھائی کی ہوئی تھی۔ ایک جرار فوج لیکر ایشیاء کوچک کو روانہ ہوا۔ اور اپنے فرزند ارطغرل کو کچھ فوج دے کر بطور ہراول آگے روانہ کیا۔ ارطغرل ابھی منزل مقصود تک نہین پہونچا تھا۔ کہ راستہ مین ایک پہاڑی کی چوٹی پر پہونچکر کیا دیکھتا ہے۔ کہ وادی زیر کوہ مین دو فوجین بالمقابل صف آرا ہین۔ ایک اون مین سے کمزور ہے۔ اور عنقریب دشمن اوسپر غالب آیا چاہتا ہے۔ حقیقی شجاعت اور جوانمردی کا خاصہ ہے۔ کہ وہ ہمیشہ کمزور کی طرفدار ہوتی ہے۔ ارطغرل علاؤ الدین کی مدد کے لیئے چلا آرہا تھا۔ مگر اس معرکہ نے اوسے سب کچھ بھلا دیا۔ وہ دونون فریقون مین سے کسی کو نہین جانتا تہا۔ لیکن اوسنے سچی جوانمردی کے جوش مین بلا درنگ کمزور فریق کی حمایت مین جا کر فریق پر حملہ کر دیا۔ جو اس حملہ کی تاب نہ لا سکا۔ اور میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ کمزور فریق نے اپنے غائبانہ امداد کنندگان کا شکریہ ادا کیا۔ اور ارطغرل کو اسوقت معلوم ہو گیا۔ کہ خوش قسمتی سے اوسنے اسی فریق کی مدد کی ہے۔ جس کی اعانت کے لیئے وہ آیا تھا۔ سلطان علاؤ الدین سے ارطغرل اور اوس کے والد بزرگوار کو جو نیز جلد آپہونچا تہا۔ انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ سلیمان سپہ سالار افواج سلطانی مقرر کیا گیا۔ اور وہ چند برس اپنے آقاء نعمت کی خدمت کرنیکے بعد عرب پر لشکر کشی کرتے ہوئے دریاء فرات مین غرق ہو گیا۔ اور اوسی کے کنارہ دفن کر دیا گیا۔ اوس کے چار فرزند تھے۔ سنقور تگین۔ کون طوغدی۔ ارطغرل۔ اور دوندر۔ اول الذکر دونون بیٹے باپ کی وفات کے بعد خدمت سلطانی سے علیحدہ ہو گئے۔ اور ہر دو آخر الذکر سلطان علاؤ الدین کی خدمت مین رہے۔ جس نے ارطغرل اور اوس کے قبیلہ کو متذکرہ بالا خدمت ہی کے صلہ مین انگورا کے قریب وسیع چراگاہین عطا کر دی تہین۔ اور اوس کو امیری کا خطاب اختیار کرنے کی اجازت دیدی تہی۔ ارطغرل اسکے بعد سلطان کو مغلون اور ہمسایہ عیسائیون کے برخلاف ضرورت کے وقت امداد دیتا اور مزید قطعات اراضی انعام مین پاتا رہا۔ جو یونانی سلطنت کے سرحد پر ہوتے تھے۔ اور اس شرط پر ملتے تھے۔ کہ ارطغرل ترکی ممالک محروسہ کی قسطنطنیہ کے یونانی عیسائیون کے حملون سے حفاظت

کرے۔ اس شرط کی کامل طور پر تعمیل کی گئی۔ اور ارطغرل اپنی بے نظیر بہادری اور بے مثال کامیابیون کے زمانہ کو جو کسی جرم و سفاکی سے داغدار نہ ہوا۔ ۱۳۰۰ء مین ختم کرکے جوار رحمت الٰہی مین جا بسا اور سلطان علاؤالدین نے اوس کے فرزند عثمان کو جو ۶۵۶ ہجری مین متولد ہوا۔ امیر لشکر بنا کر علم و طبل عنایت کیا۔ رفتہ رفتہ انفصال مقدمات و معاملات کا کام بھی اوسی کی سپرد ہو گیا۔ اور بادشاہ کی طرف سے بروز جمعہ جامع مسجد مین بھی وہی جانے لگا۔ اپنی شجاعت و جوانمردی سے اوس نے اس قدر ملک فتح کیے۔ کہ ملقب بہ عثمان غازی ہوا۔ اور ۶۹۹ ہجری مین جب علاؤالدین مغلون کے ہاتھ سے شکست یاب اور مقتول ہوا تو شہری اور لشکری دونون فریقون نے جو اس سے خوشنود تھے۔ اوس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرکے تخت پر بٹھلا دیا۔ سلطان علاؤالدین کا بیٹا کوئی نہین تھا۔ ایک بیٹی تھی۔ جو عثمان کے نکاح مین تھی۔

سلطان عثمان نے جس کی نسبت سے ترکی سلاطین اب تک عثمانیہ اور ترک عثمانلی کہلاتے ہین۔ سریر خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے اول قراحصار کو فتح کرکے اوسے اپنا دارالخلافہ بنایا۔ اقبال اوس کا غلام اور فتح اس کی کنیزک تھی۔ جس طرف رخ کرتا۔ بامراد واپس آتا۔ قیصر روم سے صوبجات نیکومیدیا اور بتھینیا واقع ایشیا کوچک فتح کیے۔ اور جب خود پیرانہ سالی سے کمزور ہو گیا۔ تو اپنے پسر ثانی ارخان کو جو شجاعت و مردانگی مین لاثانی تھا۔ فوج کی سپہ سالاری عطا کر دی۔ اوس نے پہلے تاتاریون کو جو مقبوضات سلطانی پر حملہ آور ہوئے شکست فاش دیکر بھگا دیا۔ اور پھر چند برسون کے محاصرہ کے بعد ۱۳۲۶ء مین بروصہ کو عیسائیون کے قبضہ سے چھین کر حکومت عثمانیہ کا دارالخلافہ بنایا۔ سلطان عثمان بیماری کی حالت مین نو مفتوح شہر مین لائے گئے۔ اور تھوڑا عرصہ بعد ۱۰ رمضان ۱۳۲۶ء مین ۶۹ سال کی عمر اور ۲۷ برس کی سلطنت کے بعد فوت ہو گئے۔ سلطان عثمان نے اپنے نود سالہ چچا دوندر کو اوس کی شرارتون سے تنگ آکر قتل کرا دیا تھا۔ اون کے ملکی انتظام۔ کریم النفسی۔ رعایا پروری اور عدل و انصاف کے جملہ عیسائی مورخین بھی ثناخوان ہین۔ سخی ایسے تھے کہ مرنے کے بعد سوائے خفتان۔ کمربند اور شمشیر کے کوئی زر و جواہر یا قیمتی چیز اون کے قبضہ مین سے برآمد نہ ہوئی۔ جو نیا سلطان سریر خلافت پر متمکن ہوتا ہے۔ پہلے اس کریم النفس غازی و جوانمرد کی تلوار اوس کے زیب کمر کی جاتی ہے۔ خاندان عثمانی کے اس بانی مبانی کو ایام جوانی ہی مین جبکہ وہ ابھی سلطان نہین ہوئے تھے۔ اپنے خاندان سلطنت کی استقامت و وسعت اور فتح قسطنطنیہ کی بشارت عجیب و غریب طریقہ سے عالم خواب مین ملگئی تھی۔

سلطان عثمان کے بعد ارخان تخت نشین ہوا۔ یہ سب سے بڑا بیٹا نہین تھا۔ مگر جنگی قابلیتون کی وجہ سے باپ نے اسی کو جانشین مقرر کیا۔ بڑے بھائی علاؤالدین نے کمال ایثار اور نفس کشی سے اس امر کو برا نہ منایا

اور اپنے چھوٹے بھائی کی وزارت کو قبول کرکے نظم ونسق مملکت اور آئین وتربیت فوج کے لیئے ملکی اور جنگی قوانین اس حسن لیاقت سے مرتب کیئے کہ اب تک اون کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر ارخان کو اپنے بھائی کی علمی اور انتظامی لیاقت سے مدد نہ ملتی۔ تو شائد اوسے فتوحات کے لیئے اس قدر فرصت نہ ملتی۔ اوس کا عہد فتوحات کا ایک مسلسل زمانہ تھا۔ ایشیاء کوچک مین اپنے جرار اور نامغلوب ہونے والے بہادرون کے لیئے ہوئے مغرب کی طرف وہ دردانیال اور سواحل یوروپ کے قریب تک پہونچگیا۔ اپنی فوجی طاقت کو ایک عظیم الشان بیڑہ جہازات کی ایزادی سے اور مضبوط کیا۔ اور اوس کی قوت اس قدر بڑہ گئی۔ کہ شاہان قسطنطنیہ اوس کی دوستی کے خواہان اور اوس کی مخالفت سے ترسان رہتے تھے۔ اس موقعہ پر اس عیسوی سلطنت کی کچھ مجمل کیفیت بیان کردینا شائد نامناسب نہ ہوگا مسٹر اڈمنڈ اولیور لکھتے ہین کہ :۔

"عیسائیون کی یہ مشرقی سلطنت اوس زمانہ مین کامل انحطاط کو پہونچ چکی ہتی۔ دنیا کی تاریخ مین وہ کافی اور نمایان حصہ لے چکی تہی۔ اور اوس کے کارنامے گو وہ بے تعداد جرائم کبیرہ سے ملوث اور داغدار ہین تاہم ابتدائی عیسوی زمانہ کے نہایت ہی دلچسپ کارنامون مین سے متصور ہوتے رہین گے۔ بائزن ٹائم (قسطنطنیہ کا پرانا نام ہے) کے قیاصرہ جو رومتہ الکبرے کی وسیع سلطنت کے چند ایک نہایت ہی زرخیز اور بارآور حصون کے مالک ہوگئے تھے۔ اپنی سلطنت کو مغربی سلطنت کی نسبت جو وحشیون کی تاخت وتاراج کی آماجگاہ ہوکر برباد و پامال ہوگئی۔ زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے مین کامیاب ہوئے رومن سلطنت کا پرانا دار الخلافہ (یعنی روم واقع برلب دریا ٹائبر) جب گوتھ اور ونڈن (وحشی اقوام جنہون نے رومن سلطنت کو برباد کیا) کا شکارگاہ بنا ہوا تھا۔ اس وقت بہی جانشینان قسطنطین (بانی قسطنطنیہ) قدیم شائستگی کا کچھہ کم حصہ محفوظ نہین رکہے ہوئے تھے۔ وحشی روسی قسطنطنیہ پر وقتاً فوقتاً حملہ آور ہوکر جو نقصان اوسے پہونچا جاتے تھے۔ وہ اوس بربادی کے مقابلہ مین کوئی حیثیت نہین رکھتے تھے۔ جو ان خونخوار وحشیون سے جو کہ طوفان بلاخیز کی طرح اُمڈ آئے تھے۔ اٹلی پر وارد ہو گئی تہی مشرقی سلطنت کے شاہنشاہون کے زیر حکومت یونان کی قدیم جودت و ذکاوت مین نئی جان پڑگئی تہی۔ یونانی زبان ابہی تک مروج تہی۔ اور یونانیون کی ذہانت طبع کو اپنے جوہر دکھلانے کے لیئے ابہی تک میدان ملا ہوا تھا۔ اور گو مغرب مین علم وہنر تقریباً ناپید ہو چکا تھا۔ تاہم بحیرہ مارمورا اور مجمع الجزائر کے سواحل پر اوس کے اکثر مسکن محفوظ تھے۔ اور صرف علم وفضل ہی نہین۔ بلکہ یونان کی قدیم صنعت وحرفت اور دستکاری بہی کسی نہ کسی قدر بائی زن ٹائن سلطنت کی حدود مین باقی رکھی ہوئی تہی

چنانچہ فلورینس (واقع اٹلی) میں مصوری اور بت تراشی کا جب مکرر ہوا۔ تو اس امر کی تحریک بائی زن تیم (قسطنطنیہ) ہی سے ہوئی تھی۔ جسٹینین[1] اعظم جس وقت اپنی تاریخ اور خوشنود رعایا میں مفید اور کارآمد قوانین کی برکتین پہیلا رہا تہا۔ اس وقت روم وحشیوں کے قدمون کے نیچے کچلا جا رہا تہا۔ تمام مشرقی یوروپ نے عیسائی مذہب کے اعتقادات اور رسومات باسطرس کے شہنشاہی شہر ہی سے سیکھے۔ اور بائی زن تیم کے جرنیلون نے اپنے آبائی کارنامون کی ناموری کو جو بہیڑیئے کے دودہ سے پلے ہوئے توام بچون[2] کے وقت سے چلی آتی تہی۔ اپنی فتوحات سے یہان تک قایم رکہا ہوا تہا۔ کہ ایک وقت روم بہی کچھہ مدت کے لیئے شاہان قسطنطنیہ کے ماتحت ہو گیا۔ مگر چودہوین صدی کے آنے تک یہ سب کچھہ خواب و خیال ہو چکا تہا۔ بائی زنیطی (یونانی یا اروام) بوسیدہ و ناکارہ۔ بدچلن و آوارہ اور کمزور و زنانہ ہو گئے ہوئے تھے۔ وہ اندرونی تنازعات سے اس قدر پاش پاش ہو گئے۔ اور عیاشی و بدچلنی سے ایسے تباہ ہو گئے تھے۔ کہ مقبوضات بعیدہ تو درکنار وہ خود اپنے دارالخلافہ کو قابو مین رکہنے کے قابل نہین رہے تھے۔ اور اس موقعہ پر ہی ایشیا کی طرف سے ایک زبردست قوم کی پیشقدمی کا سایہ آگے آگے بڑہتا چلا آرہا تہا۔

ارخان کے وقت قسطنطنیہ کا بادشاہ اینڈورنیکوس[3] (کلان) تہا۔ وہ ایسا کمزور طبیعت تہا کہ غنیم

---

[1] یہ ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک حکمران رہا۔

[2] شہر روم کی بناء کی نسبت مختلف روائتین مشہور ہین۔ ایک روایت یہ ہے کہ رومولس نامی ایک شخص نے اسے آباد کیا اور رومیون کا وہی ابو آبائی ہے۔ رومولس اور ریمس دو توام بہائی تھے۔ جو سلویا نامی ایک کنواری لڑکی کے بطن سے جو دیبی وسٹا کے مندر کی پجارن تہی مریخ دیوتا کے نطفہ سے پیدا ہوئے۔ پیدا ہونے پر وہ ایک جہولے مین ڈال دیئے گئے۔ اور طوفان اوسے بہاکر کوہ پالاٹائن کے دامن تک لے گیا۔ جہان ایک مادہ گرگ اون کی پرورش کرتی رہی۔ حتیٰ کہ بادشاہ کا ایک گدڑیا مسمی فاس ٹولس اون کو اوٹہا کر لے گیا۔ اور اوس کی بیوی نے اون کو پالا بڑے ہو کر اونہون نے روم کی بنا ڈالی۔ اور وہ سلطنت قایم کی۔ جو آخرکار تقریباً کل معلومہ دنیا کی مالک ہو گئی۔ مگر صاف ظاہر ہے کہ یہ روایت افسانہ سے زیادہ وقعت نہین رکہتی۔ رومولس اور اوس کے بہائی کی پیدایش ۷۷۱ قبل مسیح مین بتائی جاتی ہے۔ شہر روم دریائے ٹائبر کے دونون طرف سمندر سے پندرہ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ اس کی فصیل کا محیط ۱۳ میل ہے۔ جو باہر کی طرف پچاس فیٹ اور اندر کی طرف سے تیس فیٹ بلند ہے۔ اس مین ۳۶۵ گرجا ہین۔ اور آبادی جو سلطنت روما کے عروج کے زمانہ مین بہت زیادہ تہی۔ اب صرف دو لاکھ ۵۰ ہزار ہے۔

[3] یہ بادشاہ ۱۳۲۸ء سے ۱۳۴۱ء تک حکمران رہا۔

کو خود بخود حملہ کرنے کی تحریک ہوتی تھی۔ ۱۳۲۱ء مین اوس کے پوتے اینڈرونیکوس[۱] خورد نے علم بغاوت
بر پا کیا۔ شاہزادہ جون کنٹاکوزینس باغی کا طرفدار تھا۔ اوس نے عمربے ترکی شاہزادہ گورنر صوبہ ایدن
سے امداد مانگی۔ ترکی پرنس ۳۰۰ جہازون کا بیڑہ اور ۲۸ ہزار فوج لیکر باغی کی اعانت کو روانہ ہوا اور
یوروپ مین داخل ہوکر دریا ہبرس کے کنارے جاکر شہر ڈیموٹیکا پر جسکا بلغاریون نے محاصرہ کیا ہوا
تھا۔ پہونچ گیا۔ اور محاصرہ اوٹھا دیا۔ اس کے بعد دو ہزار چیدہ سپاہی لیکر یلغار کرتا ہوا سرویا مین داخل
ہوا۔ مگر موسم سرما کی شدت اور سختی سے لاچار ہوکر واپس آگیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قیصر نے اس وقت
عمر پاشا کو زر کثیر دے کر باغیون کی امداد دہی سے روک لیا۔ لیکن اوسکی پہلی امداد ہی سے باغی کی
طاقت مضبوط ہوگئی تہی۔ وہ شہنشاہ ہوگیا اور ترک باہمی جنگ و جدال کے خاتمہ پر ایشیا کو واپس ہٹ
آئے۔ اینڈرونیکوس خورد اپنی وفات تک جو ۱۳۴۱ء مین واقع ہوئی۔ حکمران رہا۔ اس کے بعد جان پیلاگوس
بادشاہ ہوا۔ اور ۱۳۴۷ء مین کنٹاکوزینس نے تخت کو غصب کر لیا۔ جو ۱۳۹۱ء تک حکمران رہا۔ اوس کے بعد
دو اور بادشاہون نے ۱۴۵۳ء تک حکومت کی۔ جسکے بعد قسطنطنیہ ترکون کے قبضہ مین آگیا۔

مشرقی سلطنت کی قسمت کا اصل مین اوسیوقت فیصلہ ہوگیا تھا۔ جب کہ ترکون سے مدد چاہی گئی تھی
ترکون نے یوروپ کو دیکھ لیا تھا۔ قیاصرہ کے عالیشان دار الخلافہ کا نظارہ اوران زرخیز و متمول ممالک مین
اپنی قوت و شجاعت کا اظہار کرچکے تھے۔ وہ دو دعویداران تخت کے درمیان بطور ثالث فیصلہ کرنے کے
لیئے بلائے گئے تھے۔ یعنی کہ اون کی طاقت و جبروت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ اور اون پر اون کی طاقت واضح
کردیگئی تہی۔ چنانچہ اونہون نے اس سبق سے فائدہ اُٹھانے مین درنگ نہ کیا۔ یہ امر ایک معمولی سمجھ کے ناظر
پر بھی پوشیدہ نہین تھا۔ کہ بائی زن ٹائن سلطنت دن بدن روبتنزل ہے۔ امرا ر جملہ بدمعاشیون کا مجموعہ
بنے ہوئے تھے۔ عام رعایا مین خودداری کا نام و نشان نہ رہگیا تھا۔ اور مدبرین محض سازشی رہگئے تھے ترکون
نے معلوم کر لیا کہ مشرقی سلطنت کا دار الخلافہ اور اوسکے ملحقہ علاقجات کمزور لوگون کے ہاتھ مین ہین۔ جو اپنے
کانپتے ہوئے ہاتھون مین عصائے سلطنت کو مشکل سے قابو رکھ سکین گے۔ ترک بجائے خود اس وقت عین
شباب پر تھے۔ اور ان مین وہ تمام اوصاف موجود تھے۔ جو ایک فاتح قوم مین ہونے لازمی ہین۔ وہ مستعد۔
جفاکش۔ نبرد آزما۔ اپنے امیر کے تابع فرمان اور دشمن کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانے کا ڈھب جانتے تھے۔
انہون نے قیاصرہ سے صلح رکھنی اور ضرورت کے وقت اونکو اون کی رعایا کے دھمکانے ڈرانے کے لیئے
فوجی امداد دینے کی پالیسی اختیار کرلی۔ اور جب کبھی وہ یوروپ مین بلائے جاتے تو طلب کنندگان کے

[۱] اس نے ۱۳۲۸ء سے ۱۳۴۱ء تک فرمانروائی کی۔

مفاد کی نسبت اپنی اغراض کو زیادہ پیش نظر رکھتے۔ حتی کہ چودھوین صدی عیسوی کے وسط مین عیسائی قیاصرہ نے جب اون کو بطور معاونان طلب کیا۔ تو وہ بطور فاتحان وہین مقیم ہوگئے۔ ارخان نے قیصران قسطنطنیہ سے ایشیا کوچک مین بیشمار زرخیز علاقے چھین لیئے۔ اور اون کے یوروپی مقبوضات فتح کر لینے کی بہی دہمکی دی۔ چنانچہ ۱۳۵۵ء مین سلیمان ابن ارخان نے بندرگاہ گیلی پولی[ل] پر قبضہ کرلیا۔

ارخان کا یہ بہادر بیٹا ۱۳۵۸ء مطابق ۷۶۰ھ مین پشت توسن سے گر کر راہی ملک عدم ہوگیا ارخان پیرانہ سالی مین اس صدمۂ جانکاہ کو برداشت نہ کرسکا۔ اور اس حادثہ سے ایک برس بعد ۱۳۵۹ء مین ۳۸ برس سلطنت کرنے کے بعد ۷۵ سال کی عمر مین خود بھی اپنے بزرگون سے جاملا۔ یہ سلطان نہایت شجاع۔ سخی۔ بردبار۔ عادل اور علم دوست تہا۔

سلطان ارخان کے بعد سلطان مراد تخت نشین ہوا۔ اوس نے ۱۳۶۱ء مین بروصہ کو چھوڑ کر یورپ مین ایڈریانوپل کو اپنا دارالخلافہ مقرر کیا۔ اور اپنی کمر ہمت ملک کے وسیع کرنے پر باندہی۔ لالہ شاہین سپہ سالار کو با فوج جرار اطراف ملک کی طرف روانہ کیا۔ اوسنے قلیل المدت مین کوہ بلقان تک کا علاقہ اور صوبہ تھریس جو رومیلیا کے شمال مین واقع ہے۔ فتح کیا۔ قیصر روم نے پوپ سے مدد چاہی اوس نے کمک روانہ کردی۔ اور دوسرے عیسائی بادشاہون نے بہی امدادی فوجین بہیجدین۔ مگر لالہ شاہین اور تیمور تاش بیگ سپہ سالاران فوج عثمانیہ نے کل عیسائی فوج کو تہ تیغ کردیا۔ اور شاہ قسطنطنیہ نے بعجز والحاح سلطان مراد سے صلح کرلی۔ لشکر اسلام نے اس طرف سے فارغ ہوکر پھر دیگر ممالک نصاریٰ پر یلورش کی۔ اور پانچ برس کے عرصہ مین بہت سے ملک فتح کرلیے۔ مقدونیا و البانیا بہی سلطانی حکومت مین داخل ہوگئے۔ سلطان مراد کو یوروپ کے نصاریٰ بادشاہون کے علاوہ ایشیا مین ایک اسلامی ریاست کے ساتھ بہی جنگ کرنا پڑا۔ سلجوقی خاندان کے بیچراغ ہوجانے کے بعد مختلف خاندان اوس کے مختلف صوبون پر قابض و متصرف ہوگئے تہے۔ چنانچہ قرمان مین ایک دوسرے خاندان ترکی نے اپنی حکومت قائم کرلی تہی۔ اسکے فرمانروا عثمانیہ سلاطین کی روز افزون ترقی اور جاہ و جلال سے بہت رشک کہاتے تہے۔ اور موقع ملنے پر سلطانی مقبوضات پر حملہ آور ہوکر عثمانی رعایا کو نہایت تنگ کرتے تہے۔ عثمانیہ فرمانروا بوجہ قرابت اور ہم مذہبی بہت عرصہ تک درگذر کرتے رہے۔ لیکن جب

[ل] بندرگاہ گیلی پولی دہانہ ڈارڈینلز کی شمال مغربی جانب پر واقع ہے یہ ترکی کے صوبہ رومیلیا مین ایڈریانوپل سے ۱۳۲ میل کے فاصلہ پر بجانب جنوب واقع ہے۔ اس کی آبادی تیس ہزار ہے اس مین دو عظیم الشان بندرگاہ ہین۔ اوس کے بازار ہر قسم کے اقمشہ اور سوداگری کے مال و اسباب سے معمور رہتے ہین۔

والئ قرمان کی شرارتین حد برداشت سے گذر گئین۔ تو سلطان مراد نے اوس کی ریاست پر حملہ کرکے اوس کو پے در پے شکستین دین۔ والئ مذکور نے آخرکار سلطان بایزید پسر سلطان مراد سے اپنی لڑکی کا رشتہ کر دیا۔ اور مراد کو اپنا بہت سا علاقہ دے کر صلح کر لی۔

اس ایشیائی مخمصہ سے فراغت پاکر سلطان اپنے لشکر جرار کو لیکر پھر یوروپ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ۱۳۸۹ء مین کسووا کے میدانون مین سرویا اور دیگر شاہانِ یوروپ کی افواج کا قلع قمع کر دیا۔ اس فتح سے سرویا۔ بوسینیا۔ بلگیریا اور البانیا تمام و کمال سلمان فاتحین کے تصرف مین آگئے۔ ترکون کے ہر روز آگے قدم بڑہتے دیکھ کر جنوب مشرقی یوروپ کے تمام بادشاہون نے آپس مین اتفاق و اتحاد کر لیا ہوا تہا۔ چنانچہ کسووا کے میدان پر صرف سرویا والے ہی ترکون کے مقابل نہین ہوئے تھے۔ بلکہ یوروپ کے اوس حصہ کی تمام قومین مخالف فوج مین شامل تہین۔ نصارا کی فوج مسلمانون سے تعداد مین تگنی تہی۔ اور گو وہ نہایت جرأت و استقلال سے لڑے۔ مگر ترکون کے جوش کے سامنے اون کے قدم نہ جم سکے۔ لاکہون نصاریٰ قتل ہوئے۔ اور سرویا کا بادشاہ قزال زندہ گرفتار ہوا۔ یوروپین مورخین لکہتے ہین۔ کہ یہ شکست دنیا کی نہایت ہی بڑی ہزیمتون مین شمار ہوتی ہے۔ بلکہ ایسی تہوڑی ہی شکستین ہون گی جن سے اس سے بڑہکر اہم نتائج پیدا ہوئے ہون۔ اس سے آلِ عثمان کی حکومت یوروپ مین پیدا ہو گی۔ اور عیسائیون کی بیشمار قومین جنہون نے ابتدائی زمانہ کی جہالت و وحشت کو چہوڑ کر تہذیب و شایستگی کے میدان مین قدم رکہا ہی تہا۔ صدیون کے واسطے ترکون کی ماتحتی مین آگئین۔ ترکون کو اس سے بڑہکر نمایان فتوحات بہت کم حاصل ہوئی ہین۔ مگر اس فتح کی خوشی و شادمانی فوراً ہی رنج و ماتم سے متبدل ہو گئی۔ فوج نصاریٰ کے نامور اسیر سلطانی خیمہ مین لائے گئے۔ ایک سرویین اسیر مسمی میلوسک کوبی لووسک فاتح سلطان کے قدمون پر گر پڑا۔ اور اطاعت و فرمانبرداری کا ہر طرح سے اظہار کیا۔ سلطان اوس کی اطاعت پژوہی سے خوش ہو کر کچھ حکم دینے ہی لگے تھے۔ کہ اوس نابکار نے جھٹ کھڑا ہو کر ایک خنجر آبدار سے جس کو اوس نے کپڑون مین چھپایا ہوا تہا سلطان کا سینہ چاک کر دیا۔ فوجیون نے قاتل کا اوسی وقت قیمہ کر ڈالا۔ اور سلطان نے مرتے مرتے قزال شاہ سرویا کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا۔ اور فاتح و مفتوح دونون ایک ہی وقت جہان ناپایدار سے رخصت ہو گئے۔ بایزید نے اپنی لاش بروصہ مین لاکر دفن کی۔ اور خود سریر سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ سلطان مراد نے ۳۰ برس سلطنت کی۔ اور ۶۳ برس کی عمر مین شہید ہوا۔ وہ نہایت دانشمند صاحبِ عزم تندرست۔ صوفی مشرب۔ صوف پوش۔ درویش سیرت اور عابد و پرہیزگار تہا۔

اس خونخوار معرکہ سے چند ہی برس بعد ترک دریاے ڈینیوب کو عبور کرکے والیشیا مین داخل ہوے اور اس صوبہ کو بھی اپنی روز افزون سلطنت مین شامل کر لیا۔

اس موقع پر عثمانیہ فوج کی ایک جدید جزو کی کیفیت جو سلطان ارخان کے بڑے بھائی علاؤالدین کی دانشمندی سے فاتحین کو ہاتھ آئی تھی ضمناً بیان کر دینا شاید نامناسب نہ ہوگا۔ علاؤالدین کو خیال پیدا ہوا کہ مفتوح علاقجات کی عیسائی رعایا اور اسیران جنگی سے آیندہ فتوحات مین کام لینے کے لیے اگر ایک مستقل فوج قایم کی جاوے۔ تو وہ ترکی طاقت کی بہت کچھ ترقی کا موجب ہوگی۔ سلطان آرخان نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اسیران جنگی سے جن مین سے پانچوان حصہ شرع محمدی کے مطابق امیر کا حصہ ہوتا ہے۔ چند نوعمر اور صلاحیت پذیر اشخاص منتخب کیئے گئے۔ اور اسیطرح عیسائی رعایا سے کچھ نوعمر لڑکے حاصل کیئے گئے۔ ان کی ایک جماعت بنائی گئی۔ اور اون کو دین اسلام کے عقائد اور فن جنگ کی تلقین و تعلیم دینی شروع کی گئی۔ جسوقت کچھ عرصہ کے بعد یہ لڑکے کسی قدر ماہر ہوگئے۔ تو ایک مشہور درویش حاجی بکتاش کے پاس جس کی سلطان نہایت عزت کرتے تھے۔ لیجائے گئے۔ حاجی موصوف نے اپنی سفید آستین ان سپاہیون مین سے ایک کے سر پر رکھ کر اون کے حق مین یہ کلمہ ارشاد فرمایا۔ "ان کا نام ینی شہری (نئے سپاہی) ہوگا۔ خداوند کریم اون کے چہرون کو ہمیشہ روشن۔ اون کے ہاتھون کو ہمیشہ فاتح و منصور۔ اون کی تلوارون کو آبدار اور اون کے نیزون کی سنانون کو ہر وقت دشمنون کی سینہ فگار رکھے۔ اور جہان کہین وہ جائین۔ فتح و نصرت کے ساتھ واپس آئین"۔

اس وقت سے اس سپاہ کا نام جسکی تعداد اسیران جنگی اور عیسائی لڑکون کی شمولیت سے ہر سال بڑھتی جاتی تھی۔ اور جو سلطان سلیمان کے وقت مین ایک لاکھ تک پہونچ گئی تھی ینی شہری یا ینگچری یا جنی ساری ہوگیا۔ اور سلطان کی خاص باڈیگارڈ کی فوج بنائی گئی۔ کہ تمام بڑے بڑے معرکون مین سلاطین کی ذات سے جدا نہ ہون۔ اور خاص بادشاہ کے زیر کمان دشمنون پر حملہ آور ہون۔ الغرض جسوقت ترکون نے خالص جنگی خدمات کے لیئے پیشہ ور سپاہیون کی یہ مستقل فوج بنائی۔ اوسوقت یوروپ کی عیسائی طاقتین سٹینڈنگ آرمی (مستقل فوج) کا نام و نشان تک نہین جانتی تھین۔ بادشاہ کی طرف سے امرا کو جنگی خدمات کے عوض زمینین ملی ہوئی تھین۔ کہ جب ضرورت ہو اس قدر سپاہی اور سوار لیکر بادشاہ کے پاس آجاوین۔ وہ امرا پھر بجائے خود شاہی عطا کردہ اراضیات کو اپنے ماتحتون مین اسی شرط پر تقسیم کر دیا کرتے اور یہ سلسلہ آخر کار کسان پر جا ختم ہوتا تھا۔ جو جنگی خدمت کے عوض زمین پر کشتکاری کرتا تھا۔ اسی آئین کو انگریزی مین فیوڈل سسٹم کہتے ہین۔ اور ترکون مین بھی یہ عرصہ تک مروج رہا۔ جسکا مفصل ذکر آگے کیا جاوےگا

مگر اونہون نے اپنے خاندان کے دوسرے ہی بادشاہ کے عہد مین علاوہ اس فیوڈیٹری فوج کو متذکرہ بالا مستقل فوج بہی ۱۳۶۲ء مین تیار کر لی تہی۔ عیسائی طاقتون نے بہت عرصہ کے بعد انکی تقلید کی۔ کسووا کی لڑائی مین عثمانیہ فوج مین عیسائی باجگذارون کی نصارا فوج اور یہی ینگچری فوج بہی شامل تہی۔ یہ ینگچری فوج پانچسو برس تک ترکی فوجی نظام کا جزو اہم رہی۔ اور ایک وقت تو اونکی طاقت اس قدر بڑھ گئی۔ کہ بادشاہ کو تخت پر بٹہانا یا اتارنا اون کی مرضی پر منحصر ہو گیا۔ اور انہی نالائقیون کی بدولت آخر کار سلطان محمود نے انیسوین صدی کے شروع مین کل ینگچری فوج کا ستیاناس کر دیا۔ ترکون کی یوروپی فتوحات مین اس فوج نے جو عیسائی رعایا سے حاصل کی گئی۔ عثمانیہ سلاطین کو کچھ کم مدد نہ دی۔ لیکن بعد مین جب کہ ینگچریون کی اپنی اولاد ہی فوجی ضرورتون کے لیئے کافی ہو گئی۔ تو عیسائی لڑکون کا بہرتی کیا جانا ترک کر دیا گیا۔ اور عیسائی رعیت بدل عسکریہ کے ادا کرنے پر اب تک فوجی خدمت سے آزاد چلی آتی ہے۔ گو خط ہمایون کے رو سے اون کو فوج مین داخل ہونے کی اجازت مل گئی ہے۔ حاجی بکتاش کی سفید آستین کی یادگار مین ینگچری فوج اپنے عمامون کے نیچے سفید سمور کی ٹوپی پہنتی تہی۔ سپاہ فوج پیدل کا کام دیتی تہی۔ اور کل دنیا مین غالباً یہ پہلی باقاعدہ پیدل فوج تہی۔ جسے ترکون نے قایم کیا۔ فوج ینگچری کی اس اجمالی کیفیت کے بیان کرنے کے بعد مین پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہون۔

سلطان بایزید نے جو اپنے باپ کی زندگی ہی مین چستی و چالاکی اور فوج دشمنان پر برق کی طرح جا پڑنے کی وجہ سے یلدرم (بجلی) کے خطاب سے موسوم ہو چکا تہا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اپنے چھوٹے بہائی یعقوب کو بظاہر بجرم بغاوت اور در اصل فوج مین اوس کے ہر دل عزیز ہونے پر رشک کہا کر قتل کرا دیا۔ یہ پہلی برادر کشی ہے جو تخت کی خاطر خاندان عثمانیہ مین ہوئی۔ سلطان بایزید جیسا بہادر اور جوانمرد تہا۔ ویسا ہی سفاک اور خونخوار بہی تہا۔ اور ایک بڑی خرابی اوس مین یہ تہی۔ کہ کسی قدر عیش پسند بہی تہا۔ اور اوسی کے زمانہ سے ترکون مین یہ برائی پیدا ہوئی۔ جب ترک ابتدا مین صحاری تاتار سے باہر نکلے تو وہ بہادر، سادہ مزاج، جفاکش اور محنتی لوگ تہے۔ مغربی ایشیا کی عشرت خیز آب و ہوا اور وہان کے شاندار شہرون نے اونکی عادات مین کوئی فرق نہین ڈالا تہا۔ وہ جابر اور سختگیر تو بیشک تہے۔ اور زنانہ و مصنوعی رحم دلی کو اپنی ترقی کے راستہ مین سد راہ نہین ہونے دیتے تہے مگر ساتھ ہی منصف مزاج بہی تہے۔ وہ شراب خوار عیاش یا بدچلن نہ تہے۔ اور اپنے پاک مذہب کے عمدہ اصولون اور احکام کے سخت پابند تہے۔ اون کے اخلاقی تنزل کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے۔ جب کہ انہون نے

جنوب مشرقی یورپ مین قدم رکہا۔ زمانہ وسطی کی بائی زن تائن سلطنت مین اخلاق تنزل اور پستی کے آخری درجہ پر پہونچ چکے تھے۔ اوس زمانہ کے یونانی رومی کمزور۔ بزدل۔ مکار اور راول درجہ کے بدچلن تھے۔ اون مین اپنے قدیم بزرگون (افلاطون وغیرہ) کی فہم و فراست اور ذکاوت بالکل معدوم ہنین ہوگئی تہی۔ لیکن ساتھ ہی اون مین اپنے آبا و اجداد کے بعض نہایت ہی قبیح عیوب بہی موجود تھے یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب مختلف طبائع اور ترقی و تربیت کے مختلف درجے رکہنے والی دو قومین فاتح و مفتوح یا کسی اور حیثیت سے آپس مین ملتی ہین۔ تو بہر حال ایک کی عادت دوسری پر حاوی ہو جاتی ہین۔ پس ممکن تہا۔ کہ ترک یونانیون کو پستی سے نکال کر اپنی سطح پر لے آتے۔ مگر بدقسمتی سے یونانی ترکون کو اپنی سطح پر نیچے کہینچ لے گئے۔

ایک عیسائی مورخ لکہتا ہے کہ یہ سلطنت عثمانیہ مین رفتہ رفتہ جو اس قدر اخلاقی خرابیان پیدا ہوگئین اور اوس کے بڑے بڑے شہرون مین سوسایٹی کی حالت بہت ذلیل اور شرمناک ہوگئی۔ اس کی وجہ ترکی قوم کی کوئی ذاتی خرابی یا عیب نہین ہے۔ بلکہ اس کا باعث بعض اون قومون کی نظیر بد ہے۔ جن کو اُنہون نے فتح کیا۔ یورپ مین یہ عام خیال ہے۔ کہ یونانیون۔ بلغاریون۔ بوسینیا والون اور سرویون مین ترکون کی وجہ سے بدچلنی پہیلی ہے۔ مگر اصل حقیقت اسکے عین برعکس ہے۔ ترک جب اول اول یورپ مین داخل ہوئے تھے۔ تو سوائے ذہنی اور علمی قابلیت کے وہ ہر ایک بات مین مشرقی قیاصرہ کی ذلیل رعایا سے اولیٰ اور بہتر تھے۔ اور خود اون کے اپنے تنزل کی یہی بڑی وجہ ہے کہ اونہون نے اون عادات و اطوار کو جو اون کے پیش نظر ہوئے۔ بلا سوچے بجھے فوراً اختیار کر لیا۔

سلطنت عثمانیہ بایزید کے عہد حکومت مین دریائے فرات سے لیکر دریائے ڈنیوب تک پہیل گئی۔ اور وہ خود اپنی مملکت کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک اعدار کی سرکوبی کرتا بجلی کی طرح کوندتا پہرتا تہا۔ اوس نے اناطولیہ (ایشیا کوچک) کا شمالی حصہ جو اب تک قیاصرہ روم کے ماتحت تہا۔ فتح کیا۔

سلطنت
کرمانیہ کی ریاست کو اور محدود اور خاندان سلجوقیہ کی دیگر ریاستون کو معدوم کر دیا۔ قیصر روم کی اس وقت بہت ہی مختصر ہو گئی تہی۔ ایشیا مین اوسکے ماتحت بمشکل کوئی مقبوضہ رہگیا تہا۔ علاوہ یورپ مین بہی صوبہ تھریس کے ایک چہوٹے سے ٹکڑہ۔ صوبہ مقدونیہ کی ایک جزو۔ یونان اور بحیرہ مجمع الجزائر کے چند جزیرون کے سوا اور کوئی علاقہ اوس کے پاس نہین رہگیا تہا۔ اور یہ ملک بہی ایک طرح سے ترک فاتحین کی مہربانی اور رعایت سے اوس کے پاس بچا ہوا تہا۔ امپراطور مینوئیل پلالوگس ثانی[1]

[1] اس قیصر نے ۱۳۹۱ء سے ۱۴۲۳ء تک حکمرانی کی۔ اس کے بعد صرف دو قیصر ہوئے۔ پہر قسطنطنیہ فتح ہوگیا

نہایت ذلت کے ساتھ بایزید کے پاس الحاح وزاری کی کہ یہ بچے کچھے ٹکڑے میرے پاس رہنے دیئے جائین۔ مگر اوس کی ذلت وعاجزی سے کچھ فائدہ نہ بخشا۔ ایشیا مین ایک شہر فلیڈلفیا ہی قیصر روم کے ماتحت رہگیا تہا۔ اور اوس کے باشندے ترکون کی ماتحتی قبول نہین کرتے تھے۔ سلطان نے اس پر چڑہائی کرکے ۱۳۹۱ء مین اوسے فتح کرلیا۔ قیصر روم کی حالت اس وقت ایسی نازک ہورہی تھی۔ کہ اوس نے سلطان کو اس شہر کے فتح کرنے مین اپنی رعایا کے خلاف خود مدد دی۔ اس فتح سے پانچ برس بعد سلطان نے دریائے ڈینوب کے قریب بمقام نکوپولس کل یوروپ کی متفقہ افواج کو جس مین ایک لاکھ چیدہ سپاہی تھے۔ اور جس مین فرانس وجرمنی کے بڑے بڑے امرا بہی جو سجس منڈ شاہ ہنگریا (مجرستان) کی امداد کو آئے تھے۔ شامل تھے۔ فاش شکست دی۔ اور شاہ ہنگریا جان بچاکر بھاگ گیا۔ اور کئی سو بڑے بڑے امرا قید ہوگئے۔ جب وہ سلطان کے روبرو لائے گئے۔ تو بایزید نے اون کو مخاطب کرکے کہا۔ کہ تم میرے علاقہ مین کیون آتے ہو۔ مین خود تھوڑے ہی عرصہ مین ہنگریا کے دارالخلافہ کا محاصرہ کرونگا۔ اور جرمن واٹلی کو فتح کرکے روم کے بڑے گرجا سینٹ پیٹر کی قربان گاہ پر اپنے گھوڑون کو جو کہلاؤن گا۔ اس مہیب معرکہ مین عیسائی فوج کا بہت سا حصہ تہ تیغ ہوا۔ یا دریائے ڈینوب مین غرق ہوگیا۔ اور خود ترکون کے بھی ساٹھ ہزار سپاہی شہید ہوئے۔ لڑائی کے خاتمہ پر میدان جنگ مین اپنے بہادرون کی اس قدر لاشین دیکھ کر بایزید ایسا برافروختہ ہوا۔ کہ اوس نے سوائے ۲۴ شاہزادون کے جو بعد مین زرفدیہ لیکر چھوڑ دیئے گئے۔ اسیران جنگ کے قتل کیئے جانے کا حکم دیا۔ مگر ابہی چند ہزار اسیر ہی قتل ہوئے تھے۔ کہ امرا ووزرا نے اونکی جان بخشی کرالی۔ اور وہ فاتح فوج مین تقسیم کردیئے گئے۔ اس فتح کے بعد عیسائیون سے بدلہ لینے کے لیئے سلطان نے یونان کی طرف رُخ کیا۔ اور اوس کے بہت سے حصہ پر قابض ہوگیا۔ ان فتوحات سے فارغ ہوکر بایزید نے قیصر روم سے خراج طلب کیا۔ اور اوس کو قسطنطنیہ مین مسجد بنانے اور ایک مسلمان قاضی کو مقرر کرنے کا حکم دیا۔ اور قیصر کے کچھ پس وپیش کرنے پر شہر کا محاصرہ کرلینے کی دہمکی دے کر آخر کار اوس کا محاصرہ کرہی لیا۔ جو غالبًا اوسی وقت فتح ہوجاتا مگر بایزید کو اپنے ایشیائی علاقون کو ایک اور ایشیائی فاتح کی دست برد سے جو اوس سے بہی بڑا تہا۔ بچانے کے لیئے شہر سے محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔

مغل خوانین کی طاقت جو تیرہوین صدی مین چنگیز خان کے زیر حکومت سمت الراس تک پہونچ گئی تہی۔ اوس کی وفات کے بعد بہت کم ہوگئی تہی۔ اور اوسکی عظیم الشان سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوکر اوس کی اولاد ورفقاء مین تقسیم ہوگئی تہی۔ مگر چودہوین صدی کے آخری حصہ مین صحاری تاتار سے چنگیز خان ہی سا

ایک اور دوسرا فاتح پیدا ہوا جس نے برق رفتار سرعت سے اس قدر فتح پر فتح پائین کہ یہ معلوم ہوتا تہا کہ گویا وہ کل دنیا پر اپنا تسلط قائم کرلے گا۔ یہ نامور فاتح امیر تیمور گورگان تہا۔ فتوحات پہ فتوحات سے ایک دن اوس کا علاقہ دریا فرات کے کنارے بایزید کی مملکت کی سرحد سے آملا جس سے یہ امر یقینی ہوگیا۔ کہ ان دونون اولوالعزم مشرقی فاتحون کی آپس مین ضرور مٹ بھیڑ ہوگی۔ اور ان مین سے ایک نہ ایک ضرور دوسرے علاقہ کو غصب کرنے کی کوشش کرے گا۔

چنانچہ سنہ ۱۴۰۰ء مین تیمور نے قصبہ سیواس پر، جو دریا، ہلیس پر واقع ہے، قبضہ کرلیا۔ اور تمام باشندون کو نہایت بیرحمی سے قتل و ہلاک کرایا۔ قلعہ مین ترکی جرنیل کے ماتحت چار ہزار ارمنی فوج تہی۔ جس نے اپنے فرض کو پوری دیانتداری سے ادا کیا۔ اون کی یہ وفاداری اور جان نثاری تیمور کو پسند نآئی اور جس وقت فاقہ سے لاچار ہوکر ترکی فوج نے ہتھیار رکھدیے۔ تو تیمور نے کل محصورین کو جو اسیران جنگ ہوگئے تہے۔ زندہ دفن کرادیا۔ اس کے بعد امیر شام اور مصر کی طرف چلا گیا۔ اور بایزید کے کسی دوسرے علاقہ پر حملہ نہ کیا۔ بایزید اوس زمانہ مین یوروپ کے نصاریٰ کے ساتھ جنگ و جدل مین مصروف تہا۔ اسلیئے امیر تیمور کی اس غاصبانہ اور ظالمانہ حرکت کا جواب دینے سے معذور رہا۔ لیکن جونہی اس کو ادہر سے فراغت ہوئی۔ اوس نے اپنی فوجون کو درست اور مضبوط کرکے قصبہ ارزن گیہان پر جو دریائے فرات کے کنارہ واقع ہے۔ اور امیر تیمور کی مملکت مین داخل تہا۔ قبضہ کرلیا۔ اس سے دونون بادشاہون مین لڑائی کی ٹہن گئی۔ اور سنہ ۱۴۰۲ء مین انگورا کے وسیع میدان مین عثمانی اور تاتاری اپنے اپنے بادشاہون کے زیر کمان ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ تیمور کی فوج شمار مین پانچ لاکھ سے متجاوز تہی۔ اور بایزید کی فوج لاکھ سوا لاکھ کے قریب تہی۔ تمام دن سخت جانستان لڑائی ہوتی رہی۔ شام کے قریب عثمانی فوج شکست یاب ہوئی۔ بایزید کہیل کو بگڑا ہوا پاکر میدان جنگ سے بھاگا۔ مگر گھوڑے نے ٹھوکر کہائی۔ اور بایزید گر پڑا۔ تیمور کا ایک سوار تعاقب کیئے چلا آرہا تہا۔ اوس نے گرفتار کرلیا۔ اور غروب آفتاب کے وقت فاتح کے خیمہ مین لایا گیا۔ مغلوب کے ساتھ فاتح نے جو کچھ سلوک کیا۔ اوس کی نسبت مختلف روایتین ہین۔ بعض کے مطابق وہ برتاؤ نہایت ہی شریفانہ اور نرم تہا۔ اور بعض کے مطابق نہایت ہی ظالمانہ اور سفاکانہ تہا۔ ایک روایت ہے کہ تیمور نے بایزید کو جب وہ اوس کے سامنے آیا تو تعظیم دی۔ اپنے برابر تخت پر بٹہلا کر دلجوئی کی۔ اور نہایت نرمی کے ساتھ سمجہایا کہ کفار نصاریٰ کو چھوڑکر تمہین ایک مسلمان فرمانروا سے جنگ کرنا مناسب نہین تہا۔ اور ملاقات کے خاتمہ پر حسن برلاس کو حکم دیا کہ بایزید کو عزت و احترام کے ساتھ نظربند رکھے۔ مگر بایزید جو سخت غیور تہا۔ اس

شکست کی ذلت اور بدنامی کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہ کر سکا۔ اور ایک سال کے بعد سنہ ۱۴۰۳ء مین راہی ملک عدم ہو گیا۔ تیمور نے جس وقت اوس کی وفات کی خبر سنی۔ تو سخت افسوس کیا۔ اور اوس کے فرزند موسے کو جو باپ کے ساتھ اسیر تھا۔ بلا کر بہت تشفی دی۔ اور ایک سو عربی گھوڑے الٓ تمغا اور تیغ اور خلعت گران بہا دے کر بایزید کی نعش کے ساتھ اپنے ملک کو واپس بھجدیا۔ اور موسیٰ نے اپنے باپ کی لاش کو بروصہ مین لا کر دفن کر دیا۔

دوسری روایت ہی کہ تیمور نے بایزید کو سخت زجر و توبیخ کی۔ اوس کو آہنی پنجرہ مین بند کرکے ہر جگہ اپنے ساتھ لیئے پھرتا۔ اور اوسکی ملکہ کی جو نیز گرفتار ہو گئی تہی۔ اوس کے سامنے سخت بیحرمتی کرائی۔ بایزید ان تمام عذابون کی تاب نہ لا سکا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد چودہوین شعبان ۸۰۵ھ ہجری کو خودکشی کر لی۔

انگورا کی شکست سے ایشیا مین عثمانیہ سلطنت کا رقبہ بہت محدود ہو گیا۔ کیونکہ تیمور نے کئی سلجوقی شہزادون کو جن کی ریاستین عثمانیون نے فتح کر لی تہین۔ پھر اپنا اپنا علاقہ دیدیا۔ مگر ترکون کا یوروپی علاقہ اس مصیبت کے بد اثرون سے محفوظ رہا ممکن ہے کہ تیمور بحیرہ مارمورا کو عبور کرکے یوروپ مین بھی ترکون کا تعاقب کرتا۔ مگر اوس کی توجہ ایک اور عظیم الشان کام کی طرف مبذول ہو چکی تہی۔ ہندوستان ایران خراسان اور شام وغیرہ وغیرہ کو فتح کر لینے کے بعد اوس نے چین کو فتح کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ اور انگورا سے اوس طرف روانہ ہوا۔ مگر موت نے مہلت نہ دی۔ راستہ ہی مین داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ اور اسکے بعد اوسکی اولاد یا تاتاریون مین کوئی ایسا صاحب ہمت و اقبال پیدا نہ ہوا۔ جو اوسکے ارادہ کی تکمیل کرتا۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تہا۔ اس شکست سے بہرکیف ترکی حکومت کچھ عرصہ کے لیئے بہت کچھ متزلزل ہو گئی۔ بایزید کے چار بیٹے موسیٰ۔ عیسے۔ سلیمان اور محمد باقی رہگئے تھے۔ اور تخت کے لیئے ان چارون مین خانہ جنگیان شروع ہو گئین۔ اور گیارہ برس تک جاری رہین۔ اس عرصہ مین کبھی کوئی شاہزادہ غالب آجاتا اور کبھی کوئی۔ آخر متواتر فتوحات کے بعد محمد سنہ ۱۴۱۳ء مین واحد حکمران ہو گیا۔ اور سنہ ۱۴۲۱ء تک حکومت کی۔ عثمانیون کی پراگندہ اور منتشر جمعیت اور طاقت کو جمع کرنے کے صلہ مین اوس کو مورخین اور قوم نے جامع کا خطاب بخشا ہے۔ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی حفظ امن کے لیئے اوس نے اپنے بھتیجے کو جو سلیمان کا بیٹا تہا۔ قتل کرا دیا۔ اور دو ہی برسون مین اون تمام سلجوقی شاہزادون کو جنہین تیمور مختلف صوبے بخش گیا تہا۔ عثمانیون کے مقبوضات سے باہر نکال دیا۔ اس فرمانروا کے عہد مین ترکون کو چند نقصان بھی اوٹھانے پڑے۔ سنہ ۱۴۱۶ء مین وینس کی جمہوری ریاست کے جنگی بیڑہ نے ترکی جہازات پر بندر گیلی پولی کے قریب حملہ کرکے اونکو برباد کر دیا۔

دوسرا واقعہ درویشون کی بغاوت تہی۔ یہ لوگ آج کل کے سوشلسٹون یا والہیون کے ہمخیال تھے۔ اور چاہتے تھے کہ خود مختار حکومت کے عوض جمہوری سلطنت قایم ہو۔ اون کو قصبہ انی سس کے قریب شکست دیگئی۔ اور اونکی جمعیت منتشر ہو گئی۔

۱۴۲۱ء مین سلطان محمد جامع قیصر اماتیول کو ملنے قسطنطنیہ تشریف لیگئے۔ جہان اونکی آؤبھگت بڑی شان وشوکت سے کیگئی۔ قسطنطنیہ سے واپس آنے پر گیلی پولی پر سکتہ یا اسہال دموی سے اوس کا انتقال ہو گیا۔

اس بادشاہ نے سلاطین عثمانیہ مین سے سب سے اول مکہ معظمہ کے اخراجات کے لیئے سالانہ ایک معقول رقم بہیجنی شروع کی۔ جسپر شریف مکہ نے اوسے خادم الحرمین الشریفین کا خطاب دیا۔ اور اس خطاب نے سلاطین عثمانیہ کے لیئے خلافت کا راستہ صاف کر دیا۔ مگر شاہزادہ مراد کے تخت نشین ہو جانے تک جو اپنے باپ کے انتقال کے وقت شہر امالیا مین تہا اس واقعہ کو پوشیدہ رکھا گیا۔ وزرا نے فوج کی شورہ پشتی کے اندیشہ سے اوس کو باسفورس سے عبور کرکے بروصہ کو جانے کا حکم دیا۔ اور اسے سلطان کا حکم ظاہر کیا۔ لیکن سپاہیون نے سلطان کے فوت ہونے کی افواہین سن لین تہین۔ اونہون نے جواب دیا کہ جب تک ہم سلطان کو نہ دیکھین گے۔ اس حکم کی تعمیل نہین کرین گے۔ اس پر وزرا نے بادشاہ کے بیجان جسم کو ایک اندہیرے بالاخانہ مین بٹھلا دیا۔ اور اسپر شاہی لبادہ ڈال کر پیچھے ایک غلام کو بٹھا دیا۔ جو فوج کی سلامی کو جواب مین حسب قاعدہ سلاطین عثمانیہ بادشاہ کے ہاتھ کو پیشانی تک اوٹہا دیتا۔ اہم دن کے بعد شاہزادہ مراد ولیعہد پہونچ گیا۔ اور اس پردہ داری کا خاتمہ ہوا۔

انگورا کی خوفناک شکست کے بعد جسنے عثمانیہ طاقت کو بیخ و بن سے ہلا دیا تہا۔ کسی کو امید نہ تہی کہ عثمانیہ حکومت پھر کبھی سنبھل سکے گی۔ لیکن اس پر جوش اور باہمت قوم نے گیارہ ہی برسون مین جو عرصہ بہی باہمی خانہ جنگیون مین خرچ ہوا۔ نہ صرف اپنی حالت کو ہی سنبھال لیا۔ بلکہ پھر بطور سابق ایک زبردست فاتح سلطنت کی حکمران بن گئی۔ اور قومون کی تاریخ مین ایسی نظیر مشکل سے دستیاب ہوتی ہے۔ سلطان محمد اول مشائخ صوفیہ سے کمال محبت رکہتا تہا۔ اور اونکی مریدانہ خدمت کیا کرتا تہا۔ آل عثمان مین یہ اول بادشاہ ہوا ہے۔ جس نے شریف مکہ کے لیئے سالانہ رقم معین کی۔ کہ حرمین شریفین کے اخراجات اور وہان کے غربا و مساکین کی پرورش پر صرف ہو۔

مراد خان ثانی اپنے باپ محمد خان کے بعد اورنگ خسروانی پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ ۱۴۰۱ء مطابق ۸۰۴ھ مین تولد ہوا تہا۔ اوسکو تخت پر بیٹھتے ہی ایک شخص کے جھوٹے دعاوی سے اپنے تاج و تخت کی

حفاظت کرنی پڑی۔ شخص مذکور اپنے تئین بایزید کا بڑا بیٹا مصطفےٰ بتاتا تھا۔ جسکی نسبت یہ خیال کیا گیا تھا۔ کہ وہ انگورا کے میدان جنگ مین قتل ہو گیا تھا۔ اس شخص نے سلطان محمد کے وقت بھی شورش برپا کی تھی مگر شکست کھا کر قیصر روم کے پاس چلا گیا تھا۔ جس نے اوس کو نظر بند کر لیا۔ اور اوس کے گذارہ کے لیئے سلطان سے معقول سالانہ رقم لیتا رہا۔ مراد کے تخت نشین ہونے پر قیصر نے خیال کیا۔ کہ اگر مین اس مدعی تخت کو قید سے رہا کر کے اوس کی تائید کرون تو شاید میرے لیئے زیادہ مفید ہو۔ چنانچہ اوس نے فرضی مصطفےٰ سے یہ عہد و پیمان کیا۔ کہ مین تم کو اس شرط پر امداد دیتا ہون کہ بادشاہ ہونے پر تم گیلی پولی۔ صوبہ تھیسلی اور بحیرہ اسود کے سواحل میرے حوالہ کر دو۔ مصطفےٰ نے یہ شرطین مان لین۔ اور کچھ عرصہ کے لیئے زمانہ اوس کا مساعد و مددگار رہا۔ اوس نے یونانی فوج سے گیلی پولی اور ایڈریانوپل کو فتح کر لیا۔ اور سلطان مراد نے سردار بایزید کے زیر لوا جو ترکی فوج اوس کے مقابلہ پر روانہ کی۔ وہ اوس کے ساتھ جا ملی۔ یہ دیکھ کر مراد بہ نفس نفیس فوج جرار لیکر فوراً میدان جنگ مین پہونچ گیا۔ اس کے آنے پر مصطفےٰ کے ہاتھ پاؤن پھول گئے۔ اور قیمتی وقت کو اُس نے اس سوچ بچار مین گذار دیا کہ مراد کا مقابلہ کرون یا نہ کرون۔ اور اگر کرون تو کہان کرون۔ وہ ابھی غور و فکر مین تھا کہ جو ترکی فوج اُس سے آملی تھی۔ وہ پھر اپنے اصلی مالک کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔ سلطان مراد نے مدعی در وغگو پر گیلی پولی کے قرب و جوار مین حملہ کر کے اوس کو شکست فاش دی۔ وہ ایڈریانوپل کو بھاگ گیا۔ جہان پکڑا گیا۔ اور شہر کے ایک برج پر پھانسی دیا گیا۔

اس سے فارغ ہو کر سلطان مراد نے قیصر سے بدلہ لینے کے لیئے اوسکی تمام ریاست کو برباد کر دیا۔ اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۲۴ اگست ۱۴۲۲ء کو ترکی فوج نے عام دھاوا کیا۔ اور خوفناک معرکہ آرائی برپا ہو گئی۔ مگر شام کے قریب ترک یکلخت غیر مترقبہ طور پر واپس ہٹ گئے۔ یونانی اسکا باعث یہ بتاتے ہین کہ حضرت مریم کی صورت نورانی شکل مین فصیل شہر پر نمودار ہو گئی تھی۔ ترک اس سے ڈر گئے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ سلطان کو خبر پہونچی کہ اون کے چھوٹے بھائی نے جسکا نام بھی پہلو مدعی کیطرح مصطفےٰ تھا۔ علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ جسکا فرو کرنا فتح قسطنطنیہ سے مقدم تھا۔ اس دوسرے مدعی کا بھی اپنے ہمنام جیسا انجام ہوا۔

ان خرخشون سے فراغت پا کر سلطان نے ایشیا، و یوروپ دونون براعظمون مین سمند فتح کو دوڑانا شروع کیا۔ ۱۴۲۳ء مین اپنی جان نثار فوجکو ہمراہ لیکر اوس نے جزیرہ زانٹی کو جو ریاست وینس کو تابع تھا تباہ و برباد کیا۔ اور سال آئندہ مین موریا (یونان کا جنوبی حصہ) اور سالونیکا کو فتح کیا۔ اور ریاست

وینس نے مجبور ہو کر نہایت ذلیل شرائط پر صلح کر لی۔ ان ممالک کے بعد سرویا اور والیشیا کی نوبت آئی۔ اور ۱۴۳۲ء مین سلطان صوبہ ٹرین سلوینیا (ہنگری کا ایک صوبہ جو سرویا اور رومینیا کے شمال مین ہے) مین داخل ہوا۔ اور ۷۰ ہزار قیدیون کو ساتھ لیکر واپس لوٹا۔ مگر آخر کار زور آزمائی کے لیئے اوس کو ایک مدمقابل بہادر ملگیا۔ ٹرین سلوینیا اوس وقت شاہ ہنگریا کے تابع تہا اور اوس کا گورنر مشہور جان ہنیاڈ اس کورنی وس تہا۔ جس کے پاس زبردست اور بیشمار فوج موجود تہی۔ اوس نے دلاورانہ مسلمانون پر حملہ کیا۔ اور کئی مقامات پر اون کو شکستین دے کر ڈینوب سے پار اُتار دیا۔ اور ۱۴۴۳ء مین یوروپ کے اس حصے کے تمام ممالک سے ایک شاندار اور چیدہ فوج فراہم کر کے دیار مذکور کے جنوب مین بہی ترکون کا تعاقب کیا۔ اور بمقام نسک یا نیسا پر اون کو شکست فاش دے کر بھگا دیا۔ اور تمام رومیلیا کو تاخت و تاراج کر کے بیشمار غنیمت اور قیدی ہمراہ لیکر اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ سلطان نے ان پے درپے ہزیمتون اور اپنے بڑے بیٹے علاؤالدین کی بے وقت موت سے آزردہ دل ہو کر صلح کی درخواست کی۔ جو دونون فریقون یعنی ایک طرف ٹرکی اور دوسری طرف ہنگری اور اوس کے رفیقون مین اس شرط پر قرار پائی۔ کہ دونون ممالک مین دریائے ڈینوب حد فاصل رہے۔ کوئی فریق بہ نیت جنگ و حملہ اوس کو عبور کر کے دوسرے کے ملک مین داخل نہ ہو۔

اس واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے مراد اپنے ایشیائی صوبون مین ایک عالمگیر بغاوت کو جسے عثمانیون کے موروثی دشمن ریاست قرمان کے والی قرمان دوغلی نے بھڑکایا تہا۔ فرو کر چکا تہا۔ اور اوس نے دریا دلی سے اپنے دشمن کی خطا معاف کر دی تہی۔ مگر اوس کو زنگ کے دل مین کینہ باقی تہا۔ صلح ہو جانے کے بعد اوس نے ہنگریون کو پھر لڑائی شروع کرنے پر اُکسایا۔ اور یوروپ کے قائمقام نے جو دارالخلافہ بودا مین رہتا تہا۔ بادشاہ ہنگریا کو پوپ کی طرف سے عہد شکنی کی اس نامعقول بنیاد پر اجازت دیدی کہ کافرون کے ساتھ جو قول و اقرار اور قسم نیم کیا جائے۔ اوسکی پابندی لازمی نہین۔

الغرض انعقاد صلح سے دس ہی ہفتون کے اندر افواج نصارا دریائے ڈینوب سے پھر عبور کر آئین اور معلوم ہوتا تہا کہ کل بلگیریا پر اون کا قبضہ ہو جائے گا۔ اُدھر مراد صلح ہوتے ہی تخت و تاج اپنے نابالغ بیٹے محمد کو سونپ مقام میگنیشیا (واقع ایشیائے کوچک) کو چلا گیا۔ اور درویشون اور زاہدون کی ایک جماعت مین جو نہایت ہی مرتاض اور نفس کش تہی۔ جا ملا تہا۔ مگر نصارے کی اس بدعہدی اور ملک کی سلامتی کے خطرہ مین ہونے کی خبر سنکر وہ کنج تنہائی کو چھوڑ اپنی جان نثار فوج مین پہونچ گیا۔ اور ڈبل کوچ کرتا ہوا بمقام وارنا جو بحیرہ اسود کے کنارہ پر ہے۔ غدار حملہ آورون کے لیئے پہونچ گیا۔ یہان ۱۴۴۴ء مین سخت جانستان

معرکہ آرائی ہوئی۔ مرادنے عین لڑائی کے گھمسان مین عہدنامہ کو نیزہ کی نوک پر بلند کیئے جانے کا حکم دیا۔
اور اپنی فوجکو مخاطب کرکے باآواز بلند کہا " ان کافرون کو اپنے خدا اور انجیل کے مقابلہ پر آنے دو۔ اے
عادل خداوند اگران لوگون کا ان چیزون پر سچا یقین ہے۔ تو اون کو اپنی بدعہدی کا خود ہی سزا دہندہ
اور عوض لینے والا بنا۔" لڑائی نہایت خونریز اور سخت تہی۔ ادہر ابہی فیصلہ مشتبہ تہا کہ لیڈس لاس شاہ
ہنگریا گھوڑا دوڑاتا ہوا سلطان مراد کے خیمہ کے پاس پہونچ گیا۔ اور مراد کو اپنے مقابلہ پر بلایا۔ سلطان
نے گھوڑے کو تیر سے ہلاک کیا۔ اور شاہ ہنگریا زمین پر گر پڑا۔ ینگچریون نے اوس کا سر فوڑا کاٹ لیا اور نیزہ
پر بلند کر دیا۔ اپنے بادشاہ کا سر نیزہ پر دیکھ کر فوج کفار مین ایسی ابتری پیدا ہو گئی۔ کہ جان ہنیاڈاس
کی خاص فوج بہی جو اس وقت تک ترکون کو برابر پیچھے ہٹاتی چلی آتی تہی۔ سراسیمہ و بددل ہوکر بہاگ گئی
فوج نصارا کا بہت سا حصہ قتل یا اسیر ہوا۔ اور معدودے چند جان بچا کر بہاگ گئے۔ کارڈینل جولین
سیزرانی بہی جسنے بادشاہ ہنگریا کو پوپ سے عہدشکنی کی اجازت دلادی تہی۔ مقتولین کے زمرہ مین پایا گیا
ہو۔ ہنیاڈاس بیک بینی و دو گوش اپنے وطن کو فرار ہو گیا۔ اور مراد یہ خیال کرکے کہ اب میری سلطنت کل
خطرات سے محفوظ ہو گئی ہے۔ پہر تاج و تخت کو چہوڑ کر درویش ہو گیا۔ مگر اس دفعہ بہی اوسے جلدی ہی
یہ ثابت ہو گیا۔ کہ بادشاہون کی عبادت و ریاضت یہی ہے کہ ملک کا انتظام کرین۔ اور رعایا کی فلاح و
بہبود اور حفاظتِ جان و مال مین ساعی رہین۔ ینگچریون نے ۱۴۴۳ء مین بمقام ایڈریانوپل فساد کر دیا۔
اور رعایا کو اس قدر تکلیفین پہونچائین۔ کہ سلطان کو دوبارہ کنج عزلت سے باہر آنا پڑا۔ اور یہ فساد رفع ہوا
ہی تہا۔ کہ ایک اور خرخشہ پیدا ہو گیا۔ جو کسی قدر تشریح طلب ہے۔ صوبہ البانیا کو فتح ہوئے گو عرصہ ہو چکا تہا
مگر اوسکی حکومت ابہی تک وہین کے قدیم فرمانروا خاندان کے ہاتھ مین تہی۔ جو سلاطین عثمانیہ کو خراج دیا
کرتے تہے۔ جان کسٹرایٹ والی البانیا نے اپنے چار خوردسال فرزند جن مین سے بڑے کا نام جارج کسٹرایٹ
تہا۔ سلطان مراد کے پاس بطور یرغمال ایڈریانوپل روانہ کیئے۔ جہان چہوٹے تین مر گئے۔ اور اون کے
باپ کو شبہ ہوا کہ وہ زہر سے ہلاک ہوئے ہین۔ اسپر سلطان نے جارج کو خاص اپنی نگرانی مین پرورش کرنا
شروع کیا۔ اوسے اسلامی طریقہ پر اور بطور ایک مسلمان بچہ کے تعلیم دیگئی۔ اور جب اٹھارہ برس کا ہوا تو مراد
نے اوسکو فوج کے ایک دستہ کا افسر مقرر کر دیا۔ اوس نے ایسی بہادری اور مردانگی سے سلطانی خدمات
کو ادا کیا۔ کہ مراد نے اوس کو پیار سے سکندر بیگ پکارنا شروع کیا۔ مگر ؎

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود گرچہ با آدمی بزرگ شود

یہ شخص سچے دل سے مسلمان نہین ہوا تہا۔ اور اوائل مین جانفشانی سے کام بہی صرف اپنا اعتبار اور رسوخ

بڑہانے کے لیئے کیا تہا۔ ۱۴۳۲ء مین اوس کا باپ مر گیا۔ جس کا جانشین فقط وہی تہا۔ مگر مراد کو جس نے اُسے فرزندون کی طرح پرورش کیا تہا۔ اوسکی جدائی گوارا نہ تہی۔ اوس نے اپنی فوج مین اوس کو والیٔ البانیا کے اعلے رتبہ عطا کر دیا۔ اور البانیا پر اپنا کوئی اور پاشا مقرر کر دیا۔ اسکندر اس نوازش خسروانہ سے ممنون ہونے کی بجائے دل مین اور زیادہ بگڑ گیا۔ اور البانیا پر مکر و فریب سے متصرف ہو جانے کی نیت پختہ کر لی۔ چنانچہ جب ترکون نے ہنگری پر حملہ کیا۔ تو وہ بھی ہمراہ گیا۔ اور جب ہنیاڈاس نے بمقام میا ترکی فوج پر حملہ کیا۔ تو اوسنے اپنی ماتحت فوجکو چالاکی سے کارزار مین شریک نہ ہونے دینے سے ترکون کو شکست دلا دی۔ اور ہزیمت کی افراتفری مین سلطان کے میر منشی کو خیمہ مین گھسکر خنجر اوس کے حلق پر رکھ دیا۔ اور قتل کی دہمکی دے کر صوبہ اپائرس کے صدر مقام کرویا کے گورنر کے نام جو البانیا کا بھی گورنر تہا بمہر سلطانی حکم لکھا لیا۔ کہ مقام مذکور کسٹری آٹ یعنی سکندر بیگ کو سپرد کر دے۔ یہ حکمنامہ حاصل کر کے اوس نے سیکرٹری کو فوراً قتل کر دیا۔ اور اوسیوقت تین سو البنی سپاہیون کو ساتھ لیکر کمپ سے چلدیا۔ اور حکمنامہ کے ذریعہ سے کرویا پر قابض ہو کر ترکی فوج مقیم قلعہ کو قتل کر دیا۔ اور اسلام سے علانیہ مرتد ہو کر اپنے اباؤ اجداد کے تخت پر متمکن ہو گیا۔ سلطان مراد کو اس نمک حرام سے اس قدر دلی محبت تہی۔ یا پاس پرورش تہا۔ کہ باوجود ایسی سخت نمک حرامی اور غداری کے بہت عرصہ تک چشم پوشی کرتے رہے۔ جب کبھی وہ دیگر سلطانی علاقون پر لوٹ کرتا تو سرسری طور پر کچھ فوج بہیجدیتے۔ اسطرح سے پانچ دفعہ فوجین گئین۔ اور ناکام واپس آئین۔ لیکن جب اوسکا تمرد حد برداشت سے گذر گیا۔ تو ۱۴۳۵ء مین مراد نے بذات خاص اوسکی گوشمالی کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اوسیوقت ہنیاڈاس سرویا کو تاخت و تاراج کرتا ہوا مقدونیہ کی طرف بڑہتا چلا آیا۔ جہان اوسکو اسکندر بیگ کی آملنے کی امید تہی۔ اوسکی فوجین کسووا کے تاریخی میدان مین جہان مراد اول عیسائیون کی فوج ذخار کو شکست دے چکے تہے۔ خیمہ زن تہین۔ کہ اکتوبر ۱۴۴۸ء مین مراد ثانی اون کے سر پر آپہونچا۔ ہنگریون کی تعداد نسبتاً تہوڑی تہی۔ اور اسکندر بیگ بھی غالباً سلطان مراد کے قہر و جلال کے خوف سے اون کی مدد پر نہ آیا۔ عیسائی جان توڑ کر لڑے۔ لیکن ترکون کی جرأت و مردانگی سے مقابلہ نہ کر سکے۔ اور تین دن رات کی مسلسل لڑائی کے بعد جس مین دہ ہزار اون کی تعداد مین قتل ہوئے۔ میدان جنگ سے دم دبا کر بہاگ گئے۔ اس فتح و کامرانی کے بعد سلطان مراد البانیا سے ہوتے ہوئے ایڈریانوپل واپس آگئے۔ اور ۹ فروری ۱۴۵۱ء کو مطابق ۸۵۵ھ بعارضہ سکتہ جنت الفردوس کو سدھار گئے۔ سلطان مرحوم کے جانشین محمد فاتح کے عہد مین بھی جو تخت پر بیٹہتے ہی فتح قسطنطنیہ اور اوس کے بعد دیگر اہم معاملات مین مصروف ہو گیا تہا۔ کچھ مدت تک آزادی سے بسر اوقات کرتا رہا۔ کیونکہ جسطرح سلطان مراد اوس کو بچون کیطرح سمجھتے تھے۔

اوسیطرح سلطان محمد اوس کو بہائیون کی طرح پیار کرتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۴۶۱ء مین سلطان مذکور نے اسکندر بیگ سے باضابطہ صلح کرکے اوس کو البانیا کا والی تسلیم کر لیا۔ مگر چند ہی برسون کے بعد اوس نے عہد شکنی کردی۔ اور کئی ترکی جرنیلون کو پسپا کر دیا۔ اسپر سلطان محمد فاتح نے بذات خود حملہ آور ہوکر سنہ ۱۴۶۶ء مین صوبہ البانیا کو فتح کر لیا۔ اور اسکندر بیگ جان بچا کر ریاست وینس کے علاقہ مین بہاگ گیا۔ جہان وہ سنہ ۱۴۶۷ء مین ۶۳ برس کی عمر مین بمقام لیسا فوت ہو گیا۔ اور سنہ ۱۴۷۸ء مین تمام البانیا باقاعدہ طور پر حکومت عثمانیہ کے تابع ہو گیا۔ اسکندر بیگ کی غداری کی وجہ سے گو ترک اوس کو برا کہتے ہین۔ مگر اوسکی بہادری اور شجاعت کو بہی ساتھ ہی تسلیم کرتے ہین۔ اور اوس کے افسانے اب تک البانیا اور صوبجات متصلہ مین زبانزد عام ہین۔ اور قومی گیتون مین اوس کے کارنامے بڑے شوق سے درج کیے جاتے ہین۔ اس کے مرنے کے بعد چند جاہلون نے اس کی لاش اکھاڑ کر اس کی ہڈیون کو سونے یا چاندی مین منڈھا کر بطور تعویذ استعمال کیا۔

سلطان محمد فاتح کے کارنامون کا تذکرہ شروع اور اس باب کو ختم کرنے سے پہلے اوس زمانہ کے پولیٹیکل نظم و نسق سلطنت عثمانیہ کی مجمل کیفیت بیان کر دینا شائد نامناسب نہ ہوگا۔

ترکی افواج جس وقت کسی نئے علاقہ کو فتح کرتی تہین۔ تو اس کا نظم و نسق فیوڈل سسٹم کے قاعدہ پر کیا جاتا تھا۔ فیوڈل سسٹم کی تعریف پہلے درج ہو چکی ہے کہ جنگی خدمت کے عوض زمین عطا کیے جانے کے قاعدہ کو فیوڈل سسٹم کہتے ہین۔ ترکون نے عطیون کی تین قسمین مقرر کی تہین۔ تیمار۔ ضیامت اور بے لک۔ ایک تیمار مین عموماً سے لیکر پانسو ایکڑ تک زمین ہوتی تہی۔ اور اس کا مالک جسو سپاہی پکارا جاتا تھا اپنی آمدنی کے ہر تین ہزار اسپر یا اقچہ (چاندی کا سکہ جو ۱/۲ پنس یا آدہ آنہ کے برابر ہوتا ہے) کے لیے ایک مسلح سوار مہیا کرنے کا ذمہ دار ہوتا تہا۔ ضیامتون اور بے لکون کے رقبے اس سے بہی بڑے ہوتے تھے۔ اور سلسلہ مذکورہ عطیئے موروثی ہوتے تھے! ور جبکہ ان عطیون کی ایک کافی تعداد ایک جگہ جمع ہو جاتی تہی۔ تو اون کا ایک ضلع بنا کر ایک افسر کو جسکے عہدے کا نام سنجق بے ہوتا تہا۔ اوس پر مقرر کر دیا جاتا تھا۔ بے لک کا درجہ فوج کے لفٹنٹ کرنیل کے برابر ہوتا ہے۔ مگر یہ خطاب موروثی ہے سنجق کے معنی علم یا جھنڈے کے ہین۔ اور ہر جھنڈے کے ساتھ بالعموم پانچ ہزار سوار ہوتے تھے سنجق بے کو گھوڑے کی ایک دم کا جھنڈا افسری کے امتیازی نشان کے طور پر دیا جاتا تہا۔ کیونکہ ترک جو ابتدا خانہ بدوش لوگ تہے گہوڑے کو طاقت کا نشان تصور کرتے ہین۔ حکومت کا تمام سلسلہ ان جنگی عطیات اراضی پر مبنی تہا۔ ملکی نظم و نسق کے اعتبار سے تمام اہم امور وزیر کے سپرد ہوتے تھے۔ جیساکہ وزیر کے

لفظی معنے یعنی بوجھ اُٹھانے والا کے ظاہر ہوتا ہے۔ اوس کے بعد قاضی عسکر کا رتبہ تھا جو تعداد میں دو ہوتے تھے۔ ایک یورپ اور دوسرا ایشیا کے لئے۔ انکے فرائض قانون کے متعلق ہوتے تھے۔ اور خواجگان یعنی اتالیق شہزادگان۔ اور مفتی یعنی شرع محمدی کی تشریح کرنیوالے انکے ماتحت ہوتے تھے۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد وہاں کا جج بھی انکے ماتحت کر دیا گیا تھا جب یہ افسر باہمی صلاح و مشورہ کیلئے جمع ہوتے تو انکے اجتماع کو دیوان کہا جاتا۔ اور اس کے ہر اجلاس میں چیف سکرٹری یعنی رئیس آفندی بھی جو اکثر اوقات بڑے رسوخ اور وقعت کا عہدہ دار ہوجاتا تھا شامل ہوتا۔ سلطان کی غیر حاضری میں وزیر اعظم صدر ہوتا لیکن سلطان بالعموم شریک ہوتے تھے۔ پاشاہ کا خطاب جسکے لفظی معنے پادشاہ کے پاؤں کے ہیں ترکی رعایا میں سے ابتداءً ان لوگوں کو دیا جاتا تھا جنہوں نے کسی طرح سے ملک اور قوم کی نمایاں خدمت کی ہو۔ گو اب یہ ایک طرح سے جنگی افسروں کے ساتھ مخصوص ہوگیا ہے کسی پاشا کو تین دُموں والے جھنڈے سے بڑا جھنڈا عطا نہیں ہوتا تھا۔ اور یہ بھی نہایت ہی اعلےٰ درجہ کی کارگزاری اور خاص خاص صورتوں میں۔ بادشاہ کا جھنڈا سات دموں والا ہوتا ہے +

فاتح عثمانیوں کے اراضی مقبوضات ان تین قسموں میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ اراضیات اوقاف۔ وہ اراضیات جو عثمانیوں کی خانگی اور ذاتی جائداد بنا دی جائیں۔ اور اراضیات بملکیت تاج۔ تیسری قسم کی اراضیات کی آمدنی سلطان کے ذاتی خرچ اور ریاست کے اخراجات میں کام آتی۔ اور انہی اراضیات سے بڑے بڑے فیوڈل لارڈز (امراء جنکو جنگی خدمت کے عوض میں زمین عطا ہو) کو جنگی خدمت کے معاوضہ میں زمینیں عطا ہوتیں اسی ضمن میں ایک عیسائی مورخ حسب ذیل لکھتا ہے :-

"کچھ عرصہ کے بعد سلطنت کے مسلسل وسعت پذیر ہوتے چلے جانے کی وجہ سے سپاہیوں کی مانگ بقدر بڑھ گئی کہ غلامی کے طریقہ کو رائج کرنا پڑا جسکے رو سے مفتوحہ اقوام کا پانچواں حصہ فاتحین کے دست تصرف میں آجاتا تھا عثمان غازی کے فرزند اور جانشین ارخان نے ہر سال ایک ہزار ایسے عیسائی لڑکوں کے لینے سے جنکی عمر بارہ اور چودہ برس کے درمیان ہوں اس طریقہ کو رائج کیا۔ ان لڑکوں کو دین اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور ان کی تربیت اس طرح سے کیجاتی تھی کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ جنگی۔ ملکی۔ یا مذہبی ملازمت دینے کے قابل ہوجائیں۔ اس سے وہ لڑکے تو عموماً بڑے بڑے عہدوں پر پہونچ جاتے تھے یا پہونچنے کا راستہ ان پر کھل جاتا تھا۔ مگر ان کے والدین اپنے بچوں کی تبدیلی مذہب پر بہت سٹپٹاتے تھے۔ الغرض ینگچری فوج کی بنیاد اس طرح سے قائم ہوئی تھی۔ جو منظور نظر فوج بعد میں کل سلطنت عثمانیہ میں عیسائیوں کی جانی دشمن بن گئی۔ مگر اس میں کسی کو کلام نہیں کہ ترکی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں عیسائیوں کے ساتھ ہرگز سخت برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا۔ ترکی قانون کا یہ ایک عام مسئلہ اور اصول تھا کہ مفتوح شدہ سر کو کبھی قلم نہیں کرنا چاہئے"

ایک مفتی سے ایک دفعہ یہ سوال کیا گیا: "اگر گیارہ مسلمان کسی عیسائی کو جو بادشاہ کی رعیت ہے اور خراج دیتا ہو بلاوجہ جائز قتل کر دیں تو کیا کرنا چاہیئے؟" مفتی نے جواب دیا: "اگر مسلمان ایک ہزار ایک بھی ہوں تو سب کو قصاص میں پھانسی دیا جائیگا۔" افسوس ہے کہ اس شریفانہ اصول کے مطابق ترکوں کا اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ برتاؤ نہیں رہا۔ مگر ساتھ ہی انصاف ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ پُرجوش مذہبی خبط کا اظہار ہمیشہ ایک ہی طرف سے نہیں ہوتا رہا۔ اگر ترکوں نے بسا اوقات اپنی طاقت کو بُری طرح استعمال کیا ہے تو عیسائیوں کا بھی بعض اوقات رویہ ایسا تمردانہ اور نامعقول رہا ہے کہ نرمی اور ملاطفت سے اونپر حکومت کرنا نہائیت ہی مشکل امر تھا۔"

ابتدائی سلاطین نے جو طرز حکومت قائم کی تھی۔ اوسکی کسی قدر ترمیم سولھویں صدی کے آخری حصہ میں سلطان مراد ثالث نے کی۔ اور پھر ۱۸۳۲ء میں سلطان محمود ثانی نے اوسکو بالکل ردوبدل کر دیا۔ محمود کا اس ترمیم سے بڑا مدعا یہ تھا کہ فیوڈل سسٹم کے طریقہ سے جو بیحد خرابی اور نظلم ہو رہا ہے اوسے دور کیا جائے۔ بے اور پاشاؤں کا ایک طرح سے ایک علیحدہ طبقہ جیسے طبقہ امراء کہنا بیجا نہ ہوگا بن گیا ہوا تھا۔ اور اونکے اختیارات غیر محدود ہو گئے ہوئے تھے جسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اونکی کوئی کارروائی خود پروری اور ظلم سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ کاہلی۔ عیاشی اور حرص اونکے اوصاف تھے جو رعیت کہ اونکے ماتحت تھیں اونکے وسائل پیداوار کو اونہوں نے ختم کر دیا ہوا تھا۔ ترقی کے مانع ہوتے تھے۔ اور غربا پر ظلم کرتے تھے محمود پر عموماً خودرائی اور مایل بہ جنگیری ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے لیکن ملک کی سچی خوشحالی کے پیدا کرنے اور ابتریوں اور خرابیوں کے دور کرنے میں جو اوس نے کوششیں کیں اوسکو سب تسلیم کرتے ہیں کہ صدق دل سے کیگئی تھیں۔ مگر عملاً فعلاً میں خیانت اور خرابی اس درجہ پر پہونچی ہوئی تھی کہ اپنے ہمعصر روسی زار نکلس کیطرح جس نے بھی اپنی قلمرو میں درستی و اصلاح کا بیڑا اُٹھایا تھا وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ اور اسکے پائے ثبات ڈگمگا گئے۔ اوسے معلوم ہو گیا کہ جب تک ان موروثی فیوڈل عہدہ داروں اور پاشاؤں کو جنکے توسل ہی سے صوبجات میں گورنمنٹ کا کاروبار چلتا تھا یک قلم موقوف کر کے اونکی جگہ ایسا سلسلہ انتظام نہ قائم کیا جائے جو خاص بادشاہ اور اون کے وزراء کی زیر نگرانی ہو تب تک خرابی کبھی دور نہیں ہو سکتی۔ اس تجویز کو کسی قدر سلطان موصوف عمل میں لائے اور اسکی پوری پوری تکمیل سلاطین مابعد کے زمانہ میں ہو گئی۔ چنانچہ اب سلطنت بڑے بڑے انتظامی مرکزوں میں جنکو ولائیت پکارا جاتا ہے منقسم ہے اور اونپر سلطان اور اوسکے وزیروں کی عام نگرانی رہتی ہے۔ ہر ولائیت پر والی یا گورنر جنرل مامور ہے جسکے اختیارات بہت وسیع ہوتے ہیں مگر وہ ہر وقت سلطان کے حکم سے معزول کیا جا سکتا ہے۔ سلطان عبد العزیز مرحوم نے اپنے عہد میں اس اختیار کو اسقدر تواتر سے برتا کہ عام زائچگی

پھسل گئی تھی۔ گورنر کسی گہری چال کی بنا پر یا شاہانہ ترنگ کی وجہ سے تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد بار بار تبدیل کردئے جاتے تھے +

ٹرکی کی تعلیمی حالت میں پچھلے دنوں سے بہت بڑا تغیر واقع ہوگیا ہے ۱۸۴۷ء تک وہاں کی تعلیم صرف مذہبی ہوتی تھی۔ تمام مدارس مسجدوں کے متعلق ہوتے تھے۔ اور کل تعلیمی سلسلہ علماء کے ہاتھ میں تھا۔ سن مذکور میں دنیوی تعلیم کیطرف گورنمنٹ کو خیال ہوا۔ اور ۱۸۶۹ء میں تعلیم عامہ کے متعلق ایک بنیادی قانون بذریعے فرمان شاہنشاہی نافذ کیا گیا۔ اور اسکے رو سے سلطنت عظمیٰ کے مدارس دو اقسام میں منقسم کئے گئے۔

(۱) سرکاری مدارس جو بالکل گورنمنٹ کے اقتدار اور نگرانی میں ہیں +

(۲) پرائیویٹ مدارس جنکا گورنمنٹ صرف معائنہ کرتی ہے۔ مگر جنکے متعلق باقی کل انتظام و اہتمام پرائیویٹ اشخاص یا جماعتوں کے ہاتھ میں ہے +

ایک عیسائی مورخ پندرھویں صدی کے ترکوں کے اوضاع و اطوار کی نسبت حسب ذیل لکھتا ہے:۔

"جب محمد ثانی اپنے باپ مراد ثانی کی وفات پر تخت نشین ہوا تو اس وقت ترکوں کی طاقت عین عروج پر تھی۔ اور ترکی کیرکٹر اور خصلت نے پورا پورا نشو ونما پالیا تھا۔ عثمانلی ایک فاتح قوم تھی۔ اور اونمیں لاکلام وہ قباحتیں موجود تھیں جنکا ایک فاتح اور جنگی قوم سے منفک ہونا محال ہے۔ وہ مغرور اور خودرائی تھے اور قدرتی استحقاق یا حق آسائش کے خیالات اور دعاوی کو اپنی پیش قدمی کرتی ہوئی افواج کے رستہ میں حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ مگر ساتھ ہی اونمیں ایک زبردست اور حکمران قوم کے بیشمار اوصاف بھی موجود تھے بطور قاعدہ کلیہ وہ خواہ مخواہ ظالم نہ تھے۔ اور جو قوم اونکی اطاعت قبول کرلیتی تھی۔ اوسکے ساتھ بالعموم نہایت عمدہ برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اکثر جگہ اونہوں ہی نے جاکر ایسی قوموں کے درمیان جو موروثی برائی یا مزور ایذا رساں گورنمنٹ کی وجہ سے پست و ناکارہ اور کمزور ہورہی ہیں۔ امن پھیلایا۔ پندرھویں صدی کے وسط میں ترکی قوم من حیث المجموع نہایت ہی نیک چلن اور با وصف قوم تھی۔ اونکے جماعتوں میں بد چلنی پیدا ہونی شروع ہوگئی تھی مگر وہ ابھی کسی خطرناک حد تک نہیں پہونچی تھی۔ اور قوم کا باقی حصہ تو بالکل بچا ہوا تھا۔ تب ہی نہیں بلکہ موجودہ زمانہ میں بھی عثمانلی قوم کا طبقہ عامیانہ بیشمار قابل تعریف اوصاف سے متصف ہے۔ گو طبقہ حکام اور اعلے درجہ کی جماعتوں کی عیاشی کی دیمک نے ٹرکی کے پولیٹکل (انتظامی یا سیاسیہ) اور سوشل (تمدنی) جسم کو بہت کچھ کھالیا ہے۔ اُس نامور فاتح کے زمانہ میں جس نے یونانی قیاصرہ کے کمزور ہاتھ سے قسطنطنیہ کو چھینا ایسی حالت نہ تھی۔ اُسوقت ٹرکی کی قسمت عروج پر تھی اور اوسکی قسمت کا ستارہ سچ مچ روز افزوں ترقی کرنے والا ہلال تھا۔ ارادہ کی زبردست مستعدی۔ عزم کی نہایت مستقل پختگی۔ نہایت ہی اعلے درجہ کا مذہبی جوش۔ مردانہ اوصاف

جو نہائیت ہی مضبوط نشو ونما پائے ہوئے تھے۔ اور اپنی قوم کے جو صدیوں سے فتوحات کی عادی ہو رہی تھی پرانے اور جدید کارناموں کا ذخیرہ ان سب نے عثمانیہ پیش قدمی کی زبردست اور وسیع موج کو جس کے سامنے کسی چیز کے پاؤں جمنے محال تھے۔ قیاصرہ کے شاہی دار الخلافہ کی فصیلوں اور برجوں سے جا ٹکرایا۔ ایک طرف تو مردانہ طاقت کی مستعدی تھی۔ اور دوسری طرف قریب ہو چکنے ہوئے انحطاط کی کہولت و کمزوری یورپ کی قسمت کیلئے یہ ایک بڑے معرکہ کا زمانہ تھا۔ اور ایسے زمانوں میں سے ایک تھا جنکی طرف انسان کا خیال بڑے سخت اشتیاق کے ساتھہ کھنچتا ہے۔ کیونکہ یہ زمانے ایک طرح سے تاریخ عالم کے رواں و گذر رہے جلوس میں موڑ کا کام دے چکے ہیں۔ انپر آکر تاریخ نے پلٹا کھایا اور دوسرے رخ پر چل پڑی۔ یہ زمانہ عثمانیہ فتوحات کے ایک نئے دوران کی ابتدا معلوم ہوتا تھا جو عیسائیت کے وجود تک کو معدوم کر دینے کی دھمکی دینے والا تھا مگر در اصل یہہ عثمانیہ زوال کا شروع تھا۔ وہ زمانہ نقصان کی پیشینگوئی تھا جو نقصان ایک نئی اور شاندار شاہنشاہی طاقت کے حصول کی غریب دہ شکل میں پیدا ہونے والا تھا۔

باب (۲) دوم

سلطان محمد ثانی الفاتح کی تخت نشینی۔ فتح قسطنطنیہ کیلئے جنگی تیاریاں قسطنطنیہ کی مجمل تاریخ۔ فتح قسطنطنیہ اور یورپ پر اسکا اثر۔

لے فاضل مورخ کا یہ بیان شاید ظاہری النظر میں متضاد اور نا قابل قیاس معلوم ہو۔ مگر در حقیقت وہ ایک بڑے گہرے خیال اور صداقت پر مبنی ہے۔ عام مثل ہے کہ ہر کمالے را زوالے۔ اسکی تشریح ایک عالم اجل نے یہ کی ہے کہ کوئی قوم یا شخص کمال کو پہونچ نہیں سکتا۔ اسلئے اس مثل کے مطابق زوال بھی نہیں آنا چاہیئے۔ مگر کوئی قوم نہیں جسپر زوال نہ آیا ہو۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم یہ سمجھہ لیتی ہے کہ میں کمال تک پہونچ گئی ہوں۔ تو خواہ مخواہ آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی کوششیں بند ہو جاتی ہیں۔ جسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم کچھ عرصہ اُس سطح پر رہ کر بتدریج نیچے کی طرف پھسلنا شروع کر دیتی ہے۔ اسی طرح جبتک ترکوں نے قسطنطنیہ فتح نہیں کیا تھا۔ اور اونکے فرمانبردار شہنشاہ نہیں بنے تھے۔ تب تک ان مقاصد کے حصول کی کوشش ہوتی رہی۔ جب یہ حل ہو گئے تو انہوں نے سمجھا کہ اب ہم کمال پر پہونچ گئے ہیں۔ یہ سمجھنا تھا کہ پیش قدمی کی لہر رک گئی۔ اور مطابق قاعدہ کلیہ انحطاط شروع ہو گیا سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے جسپر فاضل مورخ نے یہ غلط نما صداقت اور قیاس ظاہر کیا ہے۔ مگر اسکے ساتھہ اب یہ کہ یہی کسی قدر وجہ گردانا جاسکتا ہے کہ قسطنطنیہ کے فتح کر لینے کے بعد عیاش اور بدچلن یونانی رگوں سے زیادہ ممتاز بن

محمد خان ثانی اپنے باپ مراد خاں کی وفات پر پانزدہ برس کی عمر میں تیسری دفعہ تخت پر بیٹھا۔ باپ کے عین حیات اوسکے دو دفعہ تخت نشینی کا مجمل ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ اوسکے باپ نے اپنے بیٹے کے لئے ایک شاندار اور وسیع سلطنت چھوڑی۔ مگر وہ کچھ عرصہ سے جان ہنیاڈس اور اسکندر بیگ کی جنگی قابلیت سے کسی قدر کمزور ہو گئی تھی۔ مراد اپنے عہد میں نئے ملک نمایاں طور پر کامیاب رہا تھا۔ مگر اوسے چند ایک ہزیمتیں بھی اوٹھانی پڑیں۔ خاصکر فتح کروجہ کے بعد البانیا کے صدر مقام کو اسکندر بیگ سے فتح کرنے میں ناکامیاب رہنے سے وہ بخت شکستہ دل ہو گیا تھا اور اس رنج نے اوسکی موت کیوقت کو زیادہ قریب کر دیا تھا۔ مرنے وقت اوس نے اپنے لخت جگر کو یہ آخری نصیحت کی کہ دشمن کو کبھی کمزور نہ سمجھو حقیر نہ سمجھو۔ محمد نے تو اس وصیت پر پورا پورا عمل کیا لیکن کاشکے کل سلاطین اس اصول کو جنگی معاملات میں ہمیشہ مد نظر رکھتے۔ اگر اگر یہ بات ہوتی تو زار پیدا ہوتا اور نہ اوسکی وصیت اور نہ ہی اوسکی سلطنت اس عروج وکمال کو پہونچتی۔ اور نہ سلطنت عثمانیہ کا رقبہ آج چوتھا حصہ رہ گیا۔ انقرہ آتا نہ بیعطی ما سقی۔ محمد مراد کی وفات کے وقت شہر مغنیسیہ میں تھا۔ خبر رحلت سنکر بہ عجلت تمام دار الخلافہ میں جو اسوقت بمقام ادریانوپل تھا پہونچ گیا۔ اوسکا ایک چچیرا بھائی اوزبان قیصر روم کی نظربندی میں تھا جسکی گذارہ کے لئے قیصر کو سالانہ رقم ملتی تھی اور ایک حقیقی بھائی تھا جسکی عمر ابھی آٹھ ماہ کی تھی۔ لیکن آئندہ کے خطرات سے محفوظ رہنے کے لئے محمد نے اوسے ینگچریوں کے آغا کے ہاتھ سے مروا دیا۔ اور پھر قصاص میں آغا کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ اس طرح اندرونی خرخشہ سے مطمئن ہو کر اوس نے عیسائی باجگذاروں سے صلح کا عہد و پیمان کیا اور خود ایشیا میں جاکر قرمان اوغلی کا جو پھر برسر فساد ہو گیا تھا خاتمہ بالخیر کیا۔ اور سب طرف سے فارغ البال ہو کر اپنے عہد کے کارنامہ عظیم یعنی فتح قسطنطنیہ کی تیاریوں میں بدل وجان سے مصروف ہو گیا۔ ان تیاریوں سے کچھ عرصہ ہی پہلے قیصر روم سے اوس نے عہد نامہ صلح و دوستی کی تجدید کی تھی۔ مگر اس میں کسی کو شبہ نہیں تھا کہ تخت پر بیٹھتے ہی اوس نے شاہی قیصر پر اپنا علم نصب کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اس مدعا کو پیش نظر رکھکر اوس نے اپنے دربار کے تمام فضول اخراجات کو ایک حرف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸ - اور رسم جلیس ہو گئے اور دربار قیاصرہ کی تمام خرابیوں کو ترکوں میں بھی حلول کرنیکا کافی موقع ملگیا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں میں جو مردانہ اوصاف موجود تھے وہ بد چلنی اور عیاشی کی تاریکی میں چھپ گئے۔ یہ ممکن تھا کہ ترک ان خرابیوں سے بچ جاتے۔ مگر وہ نہ بچے اور اسی لئے فتح قسطنطنیہ اون کے زوال کا پیش خیمہ ہو گئی۔ اگر وہ پیچھے رہتے۔ اور ان بد افعال یونانیوں یا اون کے رسم و رواج اور خیالات کو قریب پھٹکنے دیتے اور ساتھ ہی فتح قسطنطنیہ اور حصول شہنشاہت کو انتہائی مدعا سمجھ بیٹھتے تو بیشک اس کامیابی سے عروج وترقی کا ایک اور نیا زمانہ اون کے لئے شروع ہو جاتا۔

سے موقوف کر دیا۔ انہی خائنوں اور بد معاملوں کو سزائیں دیکر نکال دیا۔ ینیچری فوج کی حالت کو جو مفسدانہ خودسری کے آثار دکھانے لگ گئی تھی درست کرکے اپنے قابو میں کیا اور فوجی جمعیت کو بہت بڑھا دیا۔ وہ طبیعت کا بڑا سخت تھا۔ اپنے حکم میں کسی شخص کے معترض ہونیکی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ ہی کسی کو سرتابی کی مجال تھی +

قسطنطنیہ اس وقت تنزل و پستی کے آخرترین درجہ کو پہونچ چکا تھا۔ یونانیوں کے ہر ایک کام میں خواہ وہ عیش و آرام کے متعلق ہو یا ہماری ملکی یا علمی معاملہ کے اوچھا پن اور سفاہت اپنا گھر کر چکی تھی اسکا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہو سکتا ہے کہ ایک زبردست بیقرار اور موقع شناس دشمن سر پر پہونچا ہوا قیصری سلطنت کی رہی سہی جان قبض کرنے کو تیار ہے اور ادھر وہ ہیں کہ معاملاتِ سلطنت سے غافل فقہ و شرع عیسوی اور الہیات کے خشک و فضول مسائل و متشابہات اور غوامض و دقیقہ کی موشگافیوں اور اونپر لڑنے جھگڑنے میں جنکو نہ کبھی کوئی قطعی طور پر حل کر سکا اور نہ اونکے حل کرنیکی کوشش کرنے میں کوئی فائدہ مصروف و مشغول تھے۔ ہر ایک فرد بشر عیاشی اور سیر و تماشا میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور ایک گھنٹہ بیفکری میں بسر کر لینے کے مقابلہ میں سلطنت قیصری کے چھن جانے کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ یہ سلطنت جو ابتدائی قیاصرہ کے زمانہ میں لاکھوں مربع میل کی مالک تھی گھٹتی گھٹتی اب شہر قسطنطنیہ اور تھوڑے سے علاقہ ملحقہ پر محدود رہ گئی تھی اور اتنا کچھ بھی فقط ترکوں کی مہربانی سے اونکے پاس بچا ہوا تھا جان پیلیولوگس کے ۱۴۴۸ء میں فوت ہونے پر اوسکا جانشین قسطنطین دوازدہم سلطان مراد سے پہلے اجازت حاصل کر لینے کے بعد تخت پر بیٹھنے کی جرأت کر سکا۔ اسی لئے بعض مورخین اوسکو یونانی قیاصرہ کی فہرست میں شامل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت ایک خود مختار فرمانروا نہیں تھا۔ جان پلیلوگس دیکھ چکا تھا کہ سلطنت کا وجود قریب الاختتام ہے۔ اوس نے ترکوں کی پیش قدمی اور خاتمہ کی آمد کو روکنے کیلئے مغربی یورپ کی بعض طاقتوں سے بذات خاص وہاں جاکر مدد چاہی مگر پائی نہیں۔ بنیم کو اوسکی قسمت پر چھوڑ دیا گیا۔ اور قسطنطین کو اوس آئی ساعت کا مقابلہ کرنا پڑا جسکی آمد کو ذلیل ترین خوشامد یا اوسکی قریب النزاع سلطنت کی کل قوت و طاقت روکنے سے بالکل عاجز تھی +

محمد ثانی نے ۱۴۵۱ء سے حکومت شروع کی۔ یہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا اوسنے روز اول سے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ عہد نامہ ہو جانے کے باعث شائد اس ارادہ کے ظہور پذیر ہونے میں ابھی کچھ توقف واقع ہوتا۔ مگر یونانیوں اور اونکے قیصر کی بدبختی اور شومی طالع نے ایسا ہونے نہ دیا۔ قیصر نے سلطان کو خط لکھا کہ اگر اپنے بھائی ارخان کا گذارہ جو میری نظر بندی میں ہے بڑھا نہ دوگے

تو میں اسکو رہا کر دونگا۔ سلطان معاہدہ کے باعث اسکی اس جسارت سے درگذر کر گئے مگر جب وہ نادان بار بار اصرار کرنے لگا تو اسکے جواب میں نفقہ بالکل ہی بند کر دیا گیا۔ اور سلطان نے فتح قسطنطنیہ کیلئے علانیہ تیاریاں شروع کر دیں۔ دریائے سترائمان یا امبولی کے کناروں سے جو صوبجات تہریس و مقدونیا کی سرحد پر بہتا ہے یونانی افسروں کو نکال دیا گیا۔ اور آبنائے باسفرس کے یورپی کنارے پر قسطنطنیہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر عین اوس قلعہ کے مقابل جو ایشیائی ساحل پر سلطان کے دادا محمد اول چلبی نے تعمیر کیا تہا ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کرانا شروع کر دیا۔ توپ کا رواج ترکوں میں مراد ثانی کے وقت سے شروع ہو چکا تہا۔ اور پطراس و سکیان و دیگر مقامات کی فتح میں وہ بہت کارآمد ثابت ہوئی تہیں محمد ثانی نے سوچ لیا تہا کہ باسفرس کے دونوں سواحل پر بالمقابل اگر یہ آلہ آتشبار نصب کر دیئے گئے تو بحیرہ اسود و بحیرہ مارمورا کا راستہ اوسکے کامل اقتدار میں ہو جائیگا۔ ادہر قسطنطین کو اس قلعہ کی تعمیر سے فوراً توجہ ہو گئی کہ جب قلعہ تیار ہو کر اوسپر بڑی بڑی توپیں نصب ہو گئیں تو سلطان بندر قسطنطنیہ میں جب چاہے جہازوں کی آمد کو روک سکیگا۔ اور اس طرح اہالیان شہر بدوران محاصرہ فاقہ ہی سے لاچار ہو کر حملہ آوروں کے ماتحت چلا جانا قبول کر لیں گے۔ اس خوف و اندیشہ سے اُس نے ۱۴۵۲ء میں سلطان کے پاس ایلچی روانہ کر کے شکایت کی کہ اس قلعہ کی تعمیر سے سلطان معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ محمد فاتح نے جواب دیا کہ مجھے اپنی زمین پر رفقاء سے اجازت لینے کے بغیر جسطرح کی عمارت چاہوں اوسکے بنانے کا اختیار ہے۔ اور اگر میں اپنے مقبوضات کی حفاظت کا انتظام کروں تو اس سے کسی معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اس جواب کے موصول ہونے پر جو نہایت معقولیت سے دیا گیا تہا قیصر نے دلیر ہو کر دوسرا سفیر بہیجا کہ قلعہ کی تعمیر بند کر دی جائے۔ اس گستاخانہ درخواست سے سلطان کو سخت غصہ آیا۔ مگر پہر بہی طبیعت کو قابو میں کر کے بڑی متانت سے جواب دیا کہ ایک تو قیصر کی حکومت فصیل شہر سے باہر نہیں ہے۔ دوم جب سلطان مراد کے وقت تم لوگوں نے ہنگریوں کے ساتھ ملکر مقبوضات سلطانی پر حملہ کیا تہا تو آبنائے ڈارڈنیلز کو فرنگیوں کے جہازوں سے بند کر دیا تہا اور سلطان مرحوم کو مجبوراً باسفرس کے راستہ یورپ میں داخل ہونا پڑا تہا۔ اس وقت اُس نے یورپی ساحل پر قلعہ تعمیر کرنے کی قسم کہائی تہی۔ اور باپ کی قسم کو پورا کرنا مجہپر لازمی ہے۔ اس جواب کے بعد سلطان نے سفیر کو دہمکی دی کہ اگر قیصر کیطرف سے پہر کوئی ایلچی اس بارہ میں آیا تو وہ زندہ واپس نہیں جائیگا۔

یہ جواب سُنکر قسطنطین نے بہی حملہ کے روکنے کی تیاریاں کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ مگر اوسکے بزدل مشیر اوسکو یہی صلاح دیتے رہے کہ ابہی تیل دیکہو تیل کی دہار دیکہو۔ جلدی کرنا مناسب نہیں ۵۳-۱۴۵۲ء کا موسم سرما

یونانیوں نے تو اسی بات میں گذار دیا اور ہاتھ پر ہاتھ دہرے بیٹھے رہے۔ لیکن عثمانلی اپنے کام میں پوری مستعدی سے مصروف رہے۔ سلطان فتح قسطنطنیہ کے خیال میں محو تھا۔ راتوں کو بستر پر لیٹا اکثر ساری رات وسایل فتح کو سوچا کرتا رہتا اور دن کو مجوزہ محاصرہ کی جزئیات پر اپنے جرنیلوں سے صلاح و مشورہ کرتا رہتا۔ توپخانہ کی تیاری و درستی کیطرف اوسکو خاص خیال تھا جسکو وہ کل دنیا کی سلطنتوں کے توپخانوں سے زبردست بنانیکا ارادہ کر چکا تھا۔ اس ارادہ میں اوسکو ایک عیسائی نومسلم مسمی آربن سے جو توپیں ڈھالنے کا کام کرتا تھا بڑی امداد پہونچی۔ سلطان اوس سے عموماً صلاح و مشورہ کرتا اور اوسکو بیش بہا انعام و اکرام عطا کرنیکے وعدے دیتا۔ ایک دفعہ سلطان نے اوس سے دریافت کیا کہ کیا تم ایسی توپ ڈھال سکتے ہو جسکا سنگین گولہ قسطنطنیہ کی دیواروں کو توڑ سکے۔ آربن نے جواب دیا کہ میں ایسی توپ تیار کر سکتا ہوں جو بابل کی دیواروں سے بڑھکر مضبوط دیواروں کو توڑ سکے۔ اسپر اوسکو ایڈریانوپل میں جو فتح قسطنطنیہ سے پہلے سلاطین کا یورپی دار الخلافہ تھا توپ ڈھالنے کا کارخانہ قایم کرنے کی اجازت دی گئی۔ تین مہینوں کے بعد اُس نے پیتل کی ایک ایسی عظیم الشان توپ تیار کی جسکے برابر اسوقت روئے زمین پر کوئی دوسری توپ موجود نہ تھی۔ اوسکی نال کا قطر بہت ہی بڑا تھا۔ اور آٹھ من پختہ وزن کا سنگین گولہ اوسمیں پڑتا تھا۔ سلطان نے اول اوسکی آزمایش کرنی چاہی۔ لوگوں کو اسکی رعد نما آواز سے بچنے کا انتظام کر لینے کیلئے پہلے اطلاع کر دیگئی کہ فلاں دن توپ چلائی جاویگی۔ توپ آزمائش میں کامل اُتری۔ گولہ ایک میل تک گیا اور جہاں گرا وہاں چھ فیٹ زمین میں دہنس گیا۔ اور چہار طرف سارے بارہ بارہ کوس تک گرج سُنی گئی۔ اس بلاکو ایڈریانوپل (ادرنہ) سے قسطنطنیہ پہونچانا بھی سہل کام نہ تھا تیس چھکڑوں کو ایک دوسرے کے پیچھے جوڑکر سالم توپ لادیگئی ساٹھ بیل کھینچنے پر لگائے گئے۔ اور اس طرح ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ تقریباً دو مہینوں میں طے ہوا۔

دریں ولا باسفرس کے یورپی ساحل پر قلعہ کی تعمیر بڑی سرگرمی سے جاری تھی۔ ایک ہزار معمار روزانہ اوسپر کام کرتے جس سے عمارت بہت جلد تیار ہوتی جاتی تھی۔ قلعہ مثلث کی شکل میں اور ہر ایک زاویہ پر ایک ایک بُرج بنایا گیا۔ ان میں سے ایک پہاڑی کے دامن میں اور باقی دو ساحل پر بنائے گئے۔ دیواروں کی موٹائی ۲۲ فیٹ سے لیکر تیس فیٹ تک تھی۔ اور کل عمارت پر سیسہ سے فرش بندی کیگئی۔ جب یہ تینوں بُرج تیار ہو گئے تو سلطان محمد نے ابنائے میں سے گذرنیوالے ہر ایک جہاز سے محصول لینا شروع کیا۔ وینس کی ریاست جمہوری کے ایک جہاز نے محصول دینے سے انکار کیا جسکو سلطانی اتواپ میں سے ایک توپ کے ایک ہی گولہ نے فی الفور غرق کر دیا۔ جو اہالی جہاز ڈوبنے سے بچے اونکے سر قلم کر دیئے گئے اور کپتان کو پھانسی دیا گیا۔ اسوقت سے بعد پھر کسی کو انکار کرنے کی جرأت نہ پڑی۔ قیصر نے یہ

زبردست سامان دیکھکر سوائے منت و عاجزی کے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ مگر اب وقت گذر چکا تہا۔ تہوڑے ہی عرصہ بعد قلعہ کی فوج اور علاقہ متصلہ کے عیسائیوں نے تکرار ہو پڑی جسپر فوج سلطانی نے سرکشونکو تہ تیغ کر دیا۔ قسطنطنیہ کے باشندے اس منظر اور اپنی اجل کو جو اون کے دبوچ لینے کی تیاریاں کر رہی تہی۔ اور جس کا ٹلنا ناممکن تہا فصیل شہر سے دیکھتے رہے۔ مگر کوئی چیز اون کو خواب غفلت اور نشہ مدہوشی سے بیدار نکرسکتی تہی۔ وہ مدتوں سے اوسمیں فنا ہو چکے تہے اور اب ہوشیار ہونا محال تہا۔ پیام اجل کو آثار دیکھ رہے تہے۔ مگر وہ مین کہ بطور سابق کہیل۔ کمود۔ ہنسی ٹہٹہا اور فلسفہ و مذہب کے دقائق پر لڑنے جہگڑنے میں جو اونکا شب و روز کا پیشہ ہو گیا تہا مصروف ہیں شہر کی مضبوط فصیلوں کے اندر بچت بیٹہے۔ اسی کو اپنی دنیا سمجہے ہیں۔ شہر کی دیواروں سے پرے اونکے لئے کوئی افق ہی نہیں تہا۔ محاصرہ کنندہ افواج جوق در جوق جمع ہو رہی ہیں اونکے گہوڑون کی ٹاپوں سے مطلع گرد و غبار سے تاریک ہو رہا ہے۔ مگر وہ ایسے سرمست ہیں کہ اونکو کسی کے وجود کی گویا خبر ہی نہیں۔ قیصر نے اخراجات ضروریہ کیلئے روپیہ مانگا۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ یونانی قوم کا نام اور وجود باقی رکہنے کیلئے ابہی کچہہ نہ کچہہ ہو سکتا تہا۔ مگر یہ امر باشندوں کی ہمت و مستعدی پر موقوف تہا جو صدیوں کی اون سے رخصت ہو چکی تہیں۔ قیصر کی فوج چہہ ہزار یونانی اور تین ہزار جنوا اور وینس کے سپاہی تہے۔ بحری فوج میں چند کشتیاں اور جنگی جہاز تہے۔ اناج کا ذخیرہ جمع اور مورچوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کیگئی لیکن کامیابی بہت تہوڑی ہوئی۔ ایک لاکہ کی آبادی میں سے فقط ۴۹۷۳ آدمیوں نے اپنے نام مجاہدین کی فہرست میں درج کرائے۔ چنانچہ قلت لشکر کے باعث فصیلونکی حفاظت کما حقہ نہو سکتی تہی قسطنطین نے اپنی رعایا سے مایوس ہو کر دوسری طاقتوں سے امداد کی درخواست کی۔ بلکہ پوپ کے پاس ہی جو مغربی کلیسا یعنی قدیم رومن کیتہولک کا صدر اعلے تہا سفارت روانہ کر دی کہ مشرقی کلیسا ہی جو اب تک اُس سے سخت منحرف تہا۔ تمہاری حکومت تسلیم کرلیگا۔ اس نازک وقت پر کچہہ امداد کرو۔ اور مغربی یورپ کے بادشاہوں کو قسطنطنیہ کے بچاؤ کیلئے مجتمع ہونے پر آمادہ کرو۔ مگر پوپ نکلس پنجم نے اسبارہ میں چندان مستعدی اور ہمدردی ظاہر نہ کی ایلچی کو کچہہ جہاز اور فوج روانہ کرنے کا وعدہ کر کے رخصت کر دیا جو کچہہ اُس نے فی الحقیقت کیا وہ یہہ تہا۔ کہ کارڈنل عیساڈور کو قسطنطنیہ بہیجا تاکہ مشرقی (یونانی) اور مغربی (لاطینی) دونوں کلیسوں کو باہم ملاکر لاطینی مشرب قائم کردے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جو قوم گرچکی ہو اوسمیں جہوٹا یا نامناسب مذہبی تعصب اور خبط بہت بڑہ جاتا ہے اسی طرح ترکونکے یلغار و محاصرہ نے تو یونانیوں کو ذرہ بہر متنبہ نکیا مگر جب کارڈنیل مذکور نے قسطنطنیہ پہونچکر سنٹ صوفیا کے گرجا میں جسے قیصر جسٹنین نے تعمیر کیا تہا رومن (لاطینی) طریقہ کے مطابق نماز ادا کی تو کل باشندے

غیظ و غضب سے بھر گئے۔ وہ سب اکھٹے ہو کر ایک مشورہ رہبب مسمی جناڈیش کے پاس گئے۔ جو زہد و اتقاء کے باعث نہائت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اوس نے جواب دیا کہ جو شخص اپنا مذہب (یعنے یونانی مذہب) چھوڑ کر لاطینی مذہب کو قبول کریگا۔ اسپر نہائیت ہی سخت عذاب نازل ہونگے۔ یہ جواب سنکر قسطنطنیہ کے پادریوں سپاہیوں اور تمام باشندوں نے عام بلوہ کردیا وہ کہتے تھے کہ سینٹ صوفیہ کا گرجا ناپاک ہوگیا ہے۔ ہم کو اپنے معابد میں مسلمانونکی پگڑیاں دیکھنا منظور ہے مگر رومن کارڈینلوں کی ٹوپیاں۔ دیکھنا کبھی گوارا نہیں کرینگے۔ یہ کیفیت دیکھکر پوپ کے ایلچی کو یقین ہوگیا کہ یونانی و لاطینی فرقوں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا اور اُسنے پوپ کو لکھ بھیجا کہ ایسے لوگونکی جو مذہب حق کے اسقدر مخالف ہوں ہرگز مدد کرنا مناسب نہیں۔ ناظرین کو معلوم رہے کہ عیسائی مذہب کے یہ دونوں بڑے فرقے نہائت قدیم سے چلے آتے ہیں۔ تیسرا بڑا فرقہ پراٹسٹنٹ پندرھویں صدی عیسوی کی پیدائش ہے اول الذکر دونوں فرقوں میں سب سے بڑا اختلاف یہ ہے کہ عبادت "ماس" (عشائے ربانی) میں یونانی خمیری روٹی استعمال کرتے ہیں۔ اور لاطینی فطیری +

یونانیوں نے شہر دینا قبول کیا۔ مگر خمیر چھوڑ فطیر منظور نہ کیا۔ اسی طرح محض اس بات پر کہ وہ خمیر نہیں چھوڑتے اپنے ہم مذہبوں کے قلع قمع ہو جانے پر رضامند ہو گئے۔ افسوس یہی کیفیت اب مسلمانونکی ہو رہی ہے۔ آمین بالجہر اور رفع یدین کرنیوالا آمین بالخفی کرنے اور نیچے ہاتھ باندھنے والے کو کافر اور یہ اوسکو بدعتی پکارتا ہے۔ الغرض جو لچھن کسی قوم کے اوسکے دم نزع کیوقت ہوتے ہیں وہ سب مسلمانوں میں اسوقت موجود ہیں آگے دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے +

محاصرہ اور فتح کی کیفیت درج کرنے سے پہلے شہر محصور کی مختصر تاریخ دیدینا شاید نامناسب نہوگا شہرت و ناموری میں روۃ الکبرا کے بعد قسطنطنیہ یورپ کا دوسرا شہر ہے۔ یہاں سینکڑوں ایسے واقعات گذرے ہیں جنسے بنی نوع انسان کی قسمتوں کے فیصلے ہوئے۔ یہ زیادہ تر قدیم شہر بائی زنتیم کے موقعہ پر آباد ہے جسے ڈورا قوم کی ایک جماعت نے جو میگارا سے نقل وطن کر کے آئی تھی ۶۵۶ء قبل مسیح میں آباد کیا +

دارا ہستاسپ کے زمانہ میں ایرانیوں نے بائی زنتیم کو فتح کیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد یونانیوں نے اسکو پھر فتح کرلیا۔ اور اتھنز اور لقدیمونیا سے اور زیادہ لوگ وہاں آکر آباد ہوگئے۔ اسی طرح کے متواتر حوادثات کے بعد اسپر فیلقوس والی مقدونیا نے حملہ کیا۔ اوسکے سپاہی اندھیری رات میں شہر کیطرف بڑھے چلے آرہے تھے کہ اچانک شمال کیطرف ایک روشنی نمودار ہوگئی۔ اور شہر والوں کو حملہ آور فوج سے جسکی آمد سے وہ بالکل بیخبر تھے آگاہی ہوگئی۔ وہ جھٹ فصیلوں اور برجوں پر تیار ہو کر کھڑے ہوگئے۔ اور فیلقوس بادل ناکام واپس ہٹ گیا۔ اہل شہر نے اسکو دیبی ڈائینا کا معجزہ سمجھا۔ اور اسکے شکرانہ میں دیبی کا ایک عالیشان

مقدونیہ فتح کر کے ہلال کو اپنے شہر کا نشان مقرر کیا۔ ہلال اب مسلمانوں اور ترکوں کا نشان ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ انہوں نے اسکو قسطنطنیہ کے فتح کرنے پر اختیار کیا۔ مگر یہ بات غلط ہے مسلمانوں میں ہلال اس سے بہت پہلے کا نشان چلا آتا ہے۔

فیلقوس کی ناکامی کا بدلہ اوسکے بیٹے اسکندر اعظم نے لیا۔ اور اُسکے بعد تھریس و تاتار اور دیگر ممالک کے وحشیوں نے کئی دفعہ تاخت و تاراج کیا۔ بائی زنتین تجارتی لوگ تھے۔ اور ایک زمانہ میں اچھے خوشحال اور تنومند تھے۔ قدیم مورخین اونکی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ کاہل۔ عیاش۔ ناچ رنگ کے شوقین اور جنگجوئی سے متنفر تھے۔ مگر دوسری صدی عیسوی میں انہوں نے رومتہ الکبریٰ کے قیصر سیورس کا تین برس تک مقابلہ کیا۔ اور آخرکار جب فاقہ سے لاچار ہوئے تو اطاعت قبول کی۔ بائی زنتیم میں دوسرے ممالک کے ملاحین۔ سوداگروں اور راہگیروں کا ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ اور چونکہ یہاں شراب عمدہ اور بافراط ملتی تھی۔ بدمستی اور عیاشی کا بھی کوئی حد و حساب نہ تھا۔ بائی زنتیم کا قلعہ اوس موقعہ پر تھا جو موجودہ سلطانی باغات سے پرے ہے۔

بائی زنتیم کو جب قیصر قسطنطین اول نے اپنے رقیب لیسی نس کو کامل شکست دیکر فتح کیا تو وہ اس کے پر فضا موقعہ کو دیکھکر دنگ رہ گیا۔ اور اسکے قریب ایک نیا شہر تعمیر کر کے اوسکو اپنے ممالک محروسہ کا دارالخلافہ بنانیکا ارادہ کیا۔ جدید شہر کا نام پہلے نیا روما رکہا گیا لیکن بعد میں بانی کے نام پر قسطنطنیہ ہو گیا۔ قسطنطین نے جسکے مورث اور جو خود پہلے لامذہب تھا تازہ تازہ دین عیسوی کو اختیار کیا تھا۔ چنانچہ مئی ۳۳۰ء میں نیا شہر جسکی تعمیر ۳۲۷ء میں شروع ہوئی تھی۔ حضرت مریم کے نذر کیا گیا اور اس تقریب کی خوشی میں متواتر چالیس دن جشن ہائے عظیم ہوتے رہے۔ سلطنت روما جب دو حصوں شرقی و مغربی میں تقسیم ہوئی تو قسطنطنیہ اول الذکر حصہ کا دارالخلافہ ہوا۔ شرقی سلطنت کامل و مستقل حیثیت میں ارقیداس کے عہد میں ۳۹۵ء سے شروع ہوئی۔ اور اوس عرصہ تک قائم رہی جسکی تاریخ اب لکھی جا رہی ہے۔ اس سلطنت کو کامل عروج قیصر جسٹنین کے زمانہ میں ہوا جس نے ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک حکومت کی۔ اُس نے قسطنطنیہ کو جو نیقہ کی بغاوت میں تقریباً کلہم جل گیا تھا از سر نو تعمیر کرایا۔ الغرض کئی صدیوں تک شرقی سلطنت کے قیاصرہ نہائت شان و شوکت اور عظمت و جبروت سے حکمرانی کرتے رہے۔ مگر شہر ہمیشہ حوادثات زمانہ سے محفوظ نہ رہا۔ اوسکی چار دیواری کے اندر سینکڑوں بغاوتیں اور ہزاروں سازشیں ہوئیں۔ اور کئی دفعہ ایرانیوں۔ عربوں۔ روسیوں اہالی وینس اور دیگر اقوام نے اسپر چڑہائی کی۔

عرب کے مسلمانوں نے اول اول اسپر خلفاء بنو امیہ کے وقت فوج کشی کی۔ برسوں تک محاصرہ رہا۔ اور غالباً یہ اسی وقت فتح ہو جاتا لیکن ایک تو یہ ناموری محمد فاتح کے نام مقدر رہتی۔ ثانیاً شہر کی فصیلوں اور دمدموں

نفط کے آتشین بوچھاڑوں کا جو اسوقت اول مرتبہ استعمال کیگئی عرب فاتحین مقابلہ نہ کر سکے۔ حضرت ایوب انصاری اس معرکہ میں شہید ہوئے تہے۔ اور اونکا مزار جسکے متصل فتح قسطنطنیہ پر سلطان محمد فاتح نے جامع ایوب تعمیر کی اسی وقت سے قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ عیسائیوں نے کئی دفعہ مزار کی بیحرمتی کرنیکا ارادہ کیا۔ مگر ہمسایہ مسلمان بادشاہوں کے خوف سے اپنے ارادہ بد کو عمل میں لانے کی جرأت نہ کر سکے۔ خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں بہی قسطنطنیہ پر کئی دفعہ یورش کیگئی۔ مگر اوسکے فتح ہونے میں کوئی نہ کوئی امر مانع ہوجاتا عیسائی مجاہدین کی فوج کشی کے وقت قسطنطنیہ ایسا خوش نصیب نہ رہا۔ یہ اوپر بتایا جاچکا ہے کہ رومن کیتہولک (لاطینی کلیسا) گریک چرچ (مشرقی یا یونانی کلیسا) کو اپنا مخالف اور کافر سمجہتا تہا۔ چنانچہ جب بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنے کیلئے یورپ میں عام تحریک پیدا ہوئی اور صلیبی جہادوں کا دور دورہ شروع ہوا تو ایک صلیبی جہاد کے موقع پر موجود الوقت پوپ نے حکم دیا کہ قسطنطنیہ کے قیاصرہ اور رعایا بہی مسلمانوں سے کچھ کم کافر نہیں۔ مسلمانوں کے ساتہہ ہی انپر بہی فوج کشی کیجاوے۔ اس حکم کی تعمیل میں وینس والوں نے اپنے معمر اور نابینا جرنیل ڈانڈلو کی زیر کمان عیسائی مجاہدین کی ایک جماعت کی ہمراہ ہو کر جو بالڈون کونٹ آف فلینڈرز کے ماتحت تہی سنہ ۱۲۰۴ء میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا جو ایک طویل محاصرہ کے بعد فتح ہوگیا عیسائی فاتحین نے جس بیدردی اور سفاکی سے اپنے ہم مذہب مفتوحین کو تاراج و تاراخت اور بیدریغ قتل کیا۔ اوسپر عیسائی مورخین تک نفرین کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس فتح کے بعد قسطنطنیہ میں لاطینی سلطنت قائم کیگئی۔ اور بالڈون پہلا بادشاہ بنا۔ یہ حکومت سنہ ۱۲۶۱ء تک رہی۔ اوس کے بعد یونانیوں (رومیوں) نے اپنے پرانے تخت گاہ کو پہر فتح کر لیا۔ اور مشرقی سلطنت دوبارا قائم ہوگئی۔ لیکن اوس کی شان و شوکت کے دن گذر چکے تہے۔ اور تقریباً دو صدیوں کے بعد قیاصرہ کا تاج و تخت عثمانیہ سلطان کے تصرف و قبضہ میں آگیا :۔

قسطنطنیہ ایک مثلث راس پر جو بحیرہ مارمورا میں چلی گئی ہے بنا ہوا ہے۔ اوسکی دو اطراف پر بحیرہ مذکور اور اوسکی شاخ گولڈن ہارن (شاخ زرین) قسطنطنیہ کا بندرگاہ امواج زن ہے اور تیسری طرف صوبہ تہریس کے ساتہہ ملی ہوئی ہے جسکی مشرقی حد پر شہر آباد ہے۔ پندرہویں صدی کے وسط میں قسطنطنیہ کے چاروں طرف حفاظت کے لئے فصیلیں بنی ہوئی تہیں۔ سمندر کیطرف والی دیواریں چنداں مضبوط نہ تہیں۔ مگر باقی تمام اطراف کی حفاظت میں کوئی کسر باقی نہ تہی۔ اگری کاپوسی (دنخی دروازہ) سے لیکر ہفت مینارہ تک شہر کی حفاظت کیلئے دوہری فصیل اور دوہری فصیل او دوہری خندق موجود تہی فصیلوں کی بنیاد بڑی بڑی چٹانوں سے بنی ہوئی تہی۔ جو باہر سے دیکھنے والوں کو ہمیشہ ایک سیدہے پہاڑ

کا سامنے کا حصہ معلوم ہوتی تہیں شہر چونکہ پہاڑیوں پر بنا ہوا ہے۔ اسلئے فصیل سے باہر کئی ایک مقامات
پر کھڑا ہونیسے آدمی دیوار کے اوپر سے شہر کے اندرونی حصہ کو دیکھ سکتا ہے محمد فاتح کے حملہ کیوقت بندرگاہ کے
دہانہ پر دو آہنی زنجیریں پڑی ہوئی تہیں۔ اور اونکے علاوہ مخالف کے بحری حملہ روکنے کیلئے بندرگاہ میں
کئی جہاز بہی تہے۔ محلہ غلاطا خشکی کی طرف سے بخوبی محفوظ تہا۔ مگر سمندر کی جانب یہ حالت تہی۔

الغرض شہر کی مورچہ بندی تو فی الجملہ کافی مضبوط تہی۔ مگر آدمیوں کی کمی بُری طرح سے محسوس ہو
رہی تہی پہر ایسی حالت میں جب کہ محمد فاتح جیسے اولوالعزم اور زبردست بادشاہ سے مقابلہ ہو اوس نے
آخری حملہ کی تیاریونمیں ذرات کو ایک کیا ہوا تہا۔ اور فتح کے انتظام عظیم کے پرو پرزونکی بذات خاص نگرانی
کرتا تہا۔ بڑی بڑی توپیں ہر روز نہائت مفید موقعوں پر نصب کیجاتی تہیں سا اور اونچے اونچے چوبی مینار
جو پہیونپر چلتے تہے خندق کے قریب کھڑے کر دیئے گئے تہے۔ کہ مناسب وقت پر فوجیں اونپر چڑہ جائیں اور
اُن سیڑہیوں کو جو میناروں کے ساتھ آویزاں تہیں میناروں کی چوٹی سے شہر کی فصیل پر ڈالیں۔ اور
اون کے ذریعہ خندق کو اوپر اوپر سے عبور کر کے فصیلوں تک پہونچ جائیں۔ بڑے بڑے منجنیق جنسے پتہر
پہینکے جاتے تہے اور پہاٹکوں و دیواروں کو توڑنے کیلئے عظیم الشان طاقت کے تہے ان مقامات کے
مقابل جہاں پر حملہ کیا جاتا تہا بڑی تگ و دو سے لاکر کھڑے کئے گئے۔ اور بیشمار بیڑہ جہازات ایشیا کو چک
کے کنارے کنارے بڑہتا ہوا ادار ڈنیلز میں داخل ہو گیا۔ جب کل انتظام مکمل ہو چکا۔ تو سلطان فوج کو لیکر
قسطنطنیہ کی طرف بڑہے۔ فوج کے شمار میں مورخین متفق نہیں۔ بعض چار لاکھ اور کئی تین لاکھ بتلاتے ہیں
گبن دو لاکھ ۵۸ ہزار لکھتا ہے بہر کیفیت تعداد خواہ کچھ ہو۔ اوسکا بہت سا حصہ گروٹ اور مجاہدین تہے
جو ہر لڑائی میں باقاعدہ فوج سے پہلے دشمن کے ساتھ دست بگریباں ہو کر اوسکی بہت سی طاقت کو زائل
کر دینے کا کام دیتے تہے۔ اصل باقاعدہ فوج جس پر کل دار و مدار تہا۔ ۶ ہزار سوار اور ۲۰ ہزار پیدل تہے۔
سلطان اس لشکر جرار کو ہمراہ لیکر ۱۴۵۳ء کے موسم بہار میں ایڈریانوپل سے روانہ ہوا۔ ترکی مورخ سعد الدین
آفندی عثمانیہ لشکر کے جاہ و جلال اور شاندار کوچ کو نہائت ہی لطیف اور جرأت انگیز پیرایہ میں بیان کرتا
ہے۔ خود سلطان اپنے سپاہیوں کے دلاورانہ انداز اون کے ہتہیاروں کی بُراقی و صفائی اور اپنی فوج کی
عظمت و جبروت کو دیکہکر مارے خوشی کے جاموں میں پہولا نہ سماتا تہا اور ہر وقت خالق کائنات اور
واہب العطیات کا شکر ادا کرتا تہا۔ روانگی سے پہلے اوس نے کل فوج کے روبرو فضائیل غزا بیان کر کے
اس ارشاد نبوی سے اونکے حوصلے بڑہائے کہ جو مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کریں گے وہ نہائت خوش نصیب اور
خدا کے محبوب ہونگے۔ لشکر کے ہمراہ علما و مشایخ اور سادات صوفیا کرام کا بہی ایک جم غفیر تہا جو اسلام کی فتح

ونصرت کیلئے دست بدعا رہتے تہے علاوہ بریں جس طرح اب عیسایوں کی خداوندکریم نے ایسا اقبال وعروج بخشا ہوا ہے کہ مسلمان فوجیں اور سپاہی اون کے ہمراہ وماتحت ہوکر اپنے ہم مذہب مسلمان بہائیوں کا مقابلہ اور اونکا قلع قمع کرتے ہیں اسی طرح اسوقت اقبال سلطانی ایسے عروج پر تہا۔ کہ ہنگری بوہمیا اور جرمنی سے ہزاروں عیسائی یونانیون کے مقابلہ کے لئے سلطانی لشکر میں جمع ہوگئے تہے۔ ۶ اپریل سنہ ۱۴۵۳ کو عین طلوع آفتاف کے وقت دریائے مواج کو قسطنطنیہ والوں نے شہر کیطرف بڑہا چلا آتا دیکہا۔ اور جان گئے کہ آج کا طلوع آفتاب ہماری سلطنت کے آفتاب کا غروب ہے +

سلطان الفاتح نے شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر مقام کیا اور پہر وہاں سے صف جنگ باندہ کر شہر کے قریب آیا اور علم پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کو دروازہ سینٹ رومانس کے مقابل نصب کر دیا۔ یہ محاصرہ کی کاروائی شروع ہونے کی علامت تہی۔ ترکی لشکر بحیرہ مارمورا سے لیکر بندرگاہ تک پہیلا ہوا تہا سلطان فرودگاہ قطار محاصرہ کے وسط میں تہی۔ اور بارگاہ سلطانی کے سامنے ینگچری فوج مقیم تہی محاصرہ کنندگان کی حفاظت کیلئے سلطان نے قسطنطنیہ کی اوس فصیل کے مقابل جو خشکی کیطرف تہی خندق کہودوائی چودہ باتریاں فصیل شہر کے کمزور مقامات کے سامنے لگائی گئیں۔ تیرانداز مامور کئے گئے۔ کہ فصیل پر سے جو ذرا سر اونچا کرے اوسکو اوسی وقت تیر ہلاکت کا نشانہ بنائیں۔ اور سرنگیں لگنے پر اون سرنگ بازوں کو جو سرویا سے لائے گئے تہے لگا دیا گیا +

شہر میں چاروں طرف سراسیمگی اور ہجو اسی پہیلی ہوئی تہی۔ اور بدقسمتی سے جنوا اور وینس کے وہ تین ہزار سپاہیوں کو جو مدد کے لئے آئے ہوئے تہے۔ لاطینی مذہب ہونیکے باعث یونانی ناقابل اعتبار اور دغاباز سمجہتے تہے۔ مگر باوجود ان تمام مشکلات کے قسطنطین نے اس نازک موقعہ پر اوسان نہ ہارے۔ بیرونی فصیل کی حفاظت اوس نے خود اپنے ذمہ لے لی۔ اور اوسکے دیکہا دیکہی رؤسا وامراء اور باشندگان شہر میں بہی کچہہ جرات پیدا ہوگئی۔ اوسکو کامیابی کی تو ذرہ بہر بہی امید نہ تہی لیکن ساتہہ ہی اوس نے ناموری کے ساتہہ جان دینے کی ٹہان لی تہی جس ارادہ کو اُس نے آخر تک نبہایا۔ اور غرناطہ کے آخری مسلمان بادشاہ ابو عبدل کیطرح نامردہ بنا بلکہ تاج وتخت اور دارالخلافہ عیسائی فاتحین کو خود اپنے ہاتہہ سونپکر بیحیائی اور نامرادی میں باقی عمر صرف کرنیکے لئے اپنے زن وفرزند اور دیگر اپنے جیسے ننگ اسلام مسلمان عمایدین کو ہمراہ لیکر عورتوں کیطرح روتا ہوا شہر وملک سے نکل گیا +

شروع شروع میں عیسائیوں کیحالت قطعی مایوسی بخش ہی نہ تہی۔ رعایا میں غیرت وجرات پیدا ہوگئی تہی۔ اور پہلے چند دنوں میں مسلمانوں نے فصیل میں توپوں اور سرنگوں سے جو شگاف کر دیئے تہے وہ

بڑی بہادری سے پھر پھر جیتے گئے۔ اور ترکوں کے متفرق حملوں کو کمال دلاوری سے پسپا کر دیا گیا۔ اسکے علاوہ انکو یہ بھی امید تھی کہ عیسائیوں کا نامور بہادر جان ہنڈاس جو اسوقت ہنگری کے نابالغ بادشاہ کا ولی اور سرپرست تھا ضرور ہماری امداد کریگا۔ مگر سلطان نے اُسکے ساتھ عہد و پیمان کر کے اس اندیشہ کا پہلے ہی انتظام کر لیا ہوا تھا۔ اور مزید اطمینان کے لئے ہنیاڈاس کے سفیر کو بطور ضمانت اپنے ساتھ لے آیا تھا اس سفیر نے ترکوں کو توپخانہ کی درستی کے متعلق معقول امداد دی تھی۔ اربن کی تیار کردہ وزنی توپوں نے جیسی کہ توقع تھی کام نہ دیا۔ وہ اس قدر گراں وزن تھیں کہ ٹھیک قابو میں نہ رہتین۔ اور سارے دن میں ہر ایک توپ بمشکل سات دفعہ چلائی جاتی۔ ہنیاڈاس کے سفیر نے لائق انجنیر بہم پہونچا کر اس نقص کی بہت کچھ تلافی کر دی۔ مگر امتدادِ زمانہ سے ترکی توپچیوں نے فن گولندازی میں اگر علمی ترقی کی تو عیسائی بھی ویسے غافل نہ رہے۔ پہلے تو عیسائی شہر سے باہر نکل کر بھی کبھی شبخون مارتے لیکن آخر کار قسطنطین نے حکم دیدیا کہ فصیلوں سے باہر نہ جایا جائے۔ اس دوران میں محافظین نے اپنی توپوں سے ایسی عمدگی سے کام لیا کہ محاصرین کے دمدمے اور مورچے کئی دفعہ برباد کر دیئے گئے لیکن ایسے نقصان بہادر ترکوں کے قدم کب روک سکتے تھے۔ وہ بتدریج بڑھتے بڑھتے خندق کے کنارہ پر پہونچ گئے۔ جس کے کچھ حصہ کو درختوں کے تنوں پیپوں۔ اور کوڑہ کرکٹ سے پُر کر کے سڑک بنالی گئی اور فوج عثمانی کا ایک حصہ اوس سے گذر کر فصیل تک پہونچ گیا۔ مگر وہ اس قدر بلند اور مضبوط تھی کہ سلطان نے یورش کر کے اوسپر چڑھ جانا مشکل کام دیکھا۔ اس لئے واپس ہٹ کر پھر سُرنگ اور توپ و تفنگ کا ذریعہ پکڑا۔ چند دنوں کی گولہ باری سے دروازہ رومانس کا برج گر گیا۔ اور اوسکے ملبہ سے خندق بھی تقریبا بھر گئی۔ یہ دیکھ کر سلطان نے فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جو رات کے وقت کیا گیا۔ تھوڑی دیر نہایت خونریز معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ آخر کار مسلمان حملہ آور روغن نفط کی بھڑکتی ہوئی آگ اور جلتے ہوئے تیل کی بوچھاڑوں کی زیادہ تاب مقاومت نہ لا سکے اور پیچھے پھر آئے۔ عیسائیوں نے راتوں رات خندق کو صاف اور برج کے گرنے سے جو رخنہ ہو گیا تھا اوسکو مرمت کر لیا۔ روغن نفط کے شعلوں یعنی یونانی آگ سے رات کو سلطان کا ایک چوبی مینار بھی جل گیا۔ اس لڑائی میں تین ہزار جنوا کے سپاہیوں کے افسر جان گسطیانی نے قیصر کو بہت بڑی مدد دی۔ اور اپنی فوج سمیت لڑائی کے گھمسان سے ایک لحظہ کے لئے بھی دور نہ ہوا+

اس معرکہ سے کچھ دن بعد محصورین کی امداد کے لئے جزیرہ کیوس یا ساؤ سے پانچ جہاز براہ ڈارڈنیلز بحیرہ مارمورا کنارے تک پہیلے ہوئے پائے۔ مگر یونانی ملاحین نے حوصلہ نہ ہارا۔ ہوا موافق تھی۔ اوس کی مدد اور چپوؤں کے سہارے وہ روارَوی سیدھے چلے گئے۔ ترکی جہاز مزاحم ہوئے باسفرس کے ایشیائی

ویورپی سواحل پر ہزاروں لوگ بحری جنگ دیکھنے کو کھڑے تھے۔ اور خود سلطان بھی دریا کے کنارہ پہونچ
گیا تھا۔ سب کو یہی یقین تھا کہ یونانی جہاز آنا فانا تباہ یا گرفتار ہو جائیں گے۔ مگر عیسائی توپوں کی باڑ مین
مدنے اور جب ترکی جہاز قریب پہونچکر ترک انمیں کودنا چاہتے تو یونانی آگ کی بوچھاڑیں چلاتے
شمر کیطرح سیدھے تیرتے آئے۔ ترکی جہاز دو تین حملوں کے بعد منتشر ہو گئے وہ پانچوں جہاز بندرگاہ کے
دہانہ پر پہونچ گئے۔ محصورین نے آہنی زنجیروں کو نیچے کیا اور وہ بفتح وشادمانی گولڈن ہارن
دبندرگاہ) میں داخل ہو گئے +

سلطان محمد اپنے جہازوں کو متواتر شکست کہاتا دیکھکر سخت غضب آلود ہو رہا تھا۔ اُس نے گھوڑے
کو سمندر میں ڈالدیا۔ کہ خود اپنے جہازوں میں پہونچکر شکست کو فتح سے بدل دوں۔ مگر یہ کوششیں فضول
تہیں۔ چند قدم جاکر اُسے مجبوراً گھوڑے کو روکنا پڑا۔ جاہل ترکوں اور عیسائیوں میں اسوقت یہ خیال عام
پہیل گیا۔ کہ ترکوں کی قسمت میں فقط خشکی پر فتح ونصرت مقدر ہے۔ سمندر میں ہمیشہ کفار غالب رہیں گے
لیکن اس خیال کو جلدی ہی ترکوں کے بحری کارناموں نے بہولادیا۔ اور وہ خشکی وتری دونوں
جگہ عیسائیوں سے بدرجہا زبردست ہو گئے +

اگر کوئی پست ہمت اور وہمی مزاج سلطان ہوتا تو وہ اس بظاہر ناممکن شکست سے بہت
براشگون لیکر محاصرہ سے دست بردار ہو جاتا۔ لیکن جوانمرد ہر مزاحمت پر اور زیادہ جری اور مستقل مزاج
ہوتے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس شکست نے سلطان سے جسکو عقل وہمت دول کا حصہ وافر قادر مطلق نے
عطا کیا تہا وہ کام کرایا جو اوس سے پہلے دنیا میں صرف ایکدفعہ اور بعدہ ایکدفعہ بھی نہ ہوا۔ اوس نے معلوم
کر لیا کہ جب تک میرے جہاز بندرگاہ میں داخل ہو کر شہر پر اس طرف سے بھی حملہ نہ کریں۔ عیسائیوں کا فتح ہونا
مشکل ہے۔ لیکن دہانہ بندرگاہ کی آہنی زنجیر اور عیسائیوں کے زبردست جہازوں کے مقابلہ میں ترکی
جہازوں کا اوس میں داخل ہونا امر محال ہے۔ جس مشکل کا چارہ یہ کیا گیا کہ اوس نے ایک رات محلہ گلاٹا اور
پیرا میں باسفرس سے لیکر بندرگاہ کے کنارہ تک صاف چوبی تختے بچھوا دیئے۔ اور چربی سے اونکو چکنا کرا کر
اپنی جہازوں کو باسفرس سے خشکی پر چڑہایا۔ اون کے بادبان کُہلے ہوئے اور ناخدا و ملاحین اپنے
اپنے مقام پر موجود تھے۔ باین ہیئت کذائی بیشمار مخلوق ان جہازوں کو چربی دار تختوں پر سے آٹھ نو میل
گھسیٹتی ہوئی مشعلوں کی روشنی اور ڈہول ڈہمکے کے شور وغل میں کنارہ بندرگاہ تک لیگئی محصورین مشعلوں
کی روشنی دیکہتے اور شور وغل سنتے تہے پر سمجھ نہ سکتے تہے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ دوسرے دن طلوع آفتاب کیوقت
جب یہ جہاز بندرگاہ میں اُتارے گئے تو یہ واقعہ دیکھکر جسکے وقوع میں آنیکا اونکو کبھی وہم وگمان ہی نہیں

ہو سکتا تھا وہ اپنا سر پیٹ کر رہ گئے۔ اور انکو خوف و ہراس کا کوئی پایان نہ رہ گیا۔ غلطا میں زیادہ آبادی جنوا کے باشندوں کی تھی۔ وہ اس امر میں سلطان کی مزاحمت کرنیکی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ انہوں نے جہازوں کے اتارنے چڑھانے اور گھسیٹنے میں ترکوں کی مدد کی۔ ایسا واقعہ ایک دفعہ پہلے شہر وینس کے سامنے جھیل نیاکس میں ہوا تھا جو کہا جاتا ہے کہ سلطان کے لشکر کے ایک عیسائی ہمراہی کو معلوم تھا۔ اور اوس نے سلطان کو بتایا۔ چند مؤرخین لکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں یہ پیشینگوئی عام مشہور تھی کہ اس شہر کو وہ پادشاہ فتح کریگا جو جہازوں کو کھلے بادبانوں کے ساتھ خشکی پر تیرائیگا۔ سلطان نے یہ روایت سُن پائی تھی اور اِس سے اوسکو براہِ خشکی بندرگاہ میں جہاز پہنچانے کا خیال پیدا ہوا۔ ترکی جہازات کا بندرگاہ میں پہنچ جانا محصورین کے لئے ایک نئی بدقسمتی تھی قسطنطین نے انپر حملہ کرنے کے لئے اپنے جہازوں کو روانہ کیا۔ مگر ترکی باتریوں نے جو ساحل پر نصب تھیں اونپر ایسے گولے چلائے کہ وہ فوراً غرق ہو گئے اور باقی پیچھے ہٹ گئے۔ وینس کے ایک باشندہ نے قیصر کو اسلامی بیڑہ کے جلادینے کا مشورہ دیا۔ یہ سازش جنوا کے ایک باشندہ نے سلطان کو بتادی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب عیسائیوں نے جلانیکی کوشش کی تو کامیاب نہ ہو سکے۔ محاصرہ کی شدت دن بدن زیادہ سخت ہوتی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ قیصر نے بھی چالیس دن کی شب و روز کی محنت و جفاکشی سے لاچار ہو کر ادہر تو خلیل پاشا وزیر اعظم کو زر خطیر رشوت میں دیکر اسبات پر آمادہ کیا کہ سلطان کو قصد فتح سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ اور اُدھر سلطان کی خدمت میں براہ بہت نہایت الحاح و منت سے گذارش کر بھیجی کہ جو خراج ہمکو میں دینے کو تیار ہوں۔ شہر کو میرے پاس رہنے دیا جائے اس کے جواب میں اوسکے ایلچی کو کہا گیا کہ قیصر سے یہ رعایت ہو سکتی ہے کہ اگر وہ قسطنطنیہ خود بخود حوالہ کردے تو اس کے عوض موریا (یونان کا جنوبی حصہ) کا ملک اوسکو بخش دیا جاویگا۔

قسطنطنیہ کا سلطانی علاقہ میں داخل ہونا لابدی ہے۔ قیصر نے اس شاہانہ رعایت سے فائدہ نہ اٹھایا تاہم وزیر کو رشوت دینے اور اس نامہ و پیام کا یہ اثر ہوا کہ ساعت فتح اور چند ہفتوں کے لئے ملتوی ہو گئی۔ مگر آخر کار جب یہ افواہیں عام مشہور ہونے لگیں کہ ہنگری اور اٹلی سے عیسائیوں کی مدد کے لئے فوجیں روانہ ہو گئی ہیں تو سلطان نے عام حملہ میں زیادہ توقف مناسب نہ سمجھکر ۲۸ مئی ۱۴۵۳ء کو کُل فوجکو حکم دیدیا کہ دوسرے دن علی الصباح قسطنطنیہ پر آخری حملہ کیا جاویگا۔ اور سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانیکے لئے اشتہار دیا کہ فاتحین کو تین دن رات تک عام تاخت و تاراج کی اجازت ہوگی۔ مگر ساتھ ہی عمارات سرکاری و رفاہ عام کی نسبت سخت فہمائش کر دی گئی کہ اونکو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جاوے۔ سپاہ نے یہ حکم سُنکر خوشی کے نعرے بلند کئے۔ ۲۸ مئی کے دن کُل سپاہیوں نے روزہ رکھا۔ اور شام کو بعد افطار روزہ کل لشکر میں سامان خوشی و شادمانی نظر آنے لگ گئے۔ ہر ایک خیمہ میں چراغان ہو رہی تھی اور فتح کے یقین کامل سے غازیان اسلام خرم تھے

تہلیل و تکبیر بلند کرتے تھے۔ محصورین یہ نعرے اور روشنی اور بہادرانِ اسلام کی مستعدی و گرم جوشی دیکھکر جان گئے کہ اب آخری وقت پہنچگیا ہے۔

لشکر اسلام تو ادھر فتح کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اودھر اسی شام کو قیصر نے اپنے سردارانِ لشکر کو صلاح و مشورہ کے لئے محل میں طلب کیا۔ جو آخری تقریر اُس نے اس موقعہ پر کی گبن اوسکی نسبت نہایت چستہ الفاظ میں یہ فقرہ لکھتا ہے کہ وہ رومن سلطنت کی نماز جنازہ کا خطبہ تھا۔ یونانی مؤرخ فرینزا اس مجلس میں شامل تھا۔ اوس نے اسکا سین نہایت دردانگیز اور رقت آمیز پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ قیصر کے چیدہ افسرانِ فوج اسکے گرد جمع تھے۔ اونکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور آخر ایک دوسرے سے بغل گیر اور اپنے مال و متاع اور زن و فرزند سے وداع ہو کر مورچوں اور فصیلوں پر اپنے اپنے موقعہ پر چلے گئے۔ جہاں وہ برابر ساری رات پہرہ دیتے رہے۔ مجلس کے برخاست ہونے پر قیصر چند ہمراہیوں سمیت کنیسہ ایا صوفیا میں جہمیں دوسرے دن نعرہ اللہ اکبر پہلی مرتبہ بلند ہونا تھا گیا۔ اور بحضورِ قلب نماز ادا کر کے وہاں سے رخصت ہوا۔ پھر تھوڑی دیر محل میں استراحت کرنیکے بعد جو خادموں اور حرم سرائے شاہی کے نوحہ و فغان سے گونج رہا تھا۔ بہ ہمت مردانہ مگر بہ یاس کامل جام اجل نوش کرنیکو مورچوں کی طرف چلا گیا۔

ترکوں کی توپوں نے دیوار ہائے شہر کو چھلنی بنا دیا ہوا تھا۔ اور اکثر مقامات پر اتنے اتنے بڑے سوراخ ہو گئے تھے کہ اونمیں سے محاصرین اور محصورین ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے فصیلوں اور عیسائیوں کی یہ حالت تھی کہ ۲۹ مایار ۱۴۵۳ء مطابق ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء و ۲۰ جمادی الاول ۸۵۷ھ ہجری المقدس بروز اتوار جو کلیسیائی یونانی کے روسے یوم الاولیا کے تیوہار کا دن تھا سلطان محمد ثانی جسکے نام کے ساتھ اُسدن سے بعد الفاتح کا خطاب ایزاد ہونے والا تھا آہنی گرز ہاتھ میں لئے سمند باد پا پر سوار ہو کر شگاف فصیل کیطرف روانہ ہوا۔ دس ہزار جان نثار ینگچری اوسکے اردگرد تھے اور ایک لاکھ سوار دائیں بائیں اور عقب میں تھے۔ ان کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ پیدل مختلف موقعوں پر اور بیشمار سپاہی جہازات اور چوبی پُل پر مامور تھے یہ جانگداز ہنگامہ پو پھٹتے ہی شروع ہوا ترکوں نے ہیبت خیز اور خوفناک خاموشی سے سمندر اور خشکی دونو طرفوں سے حملہ کے لئے قدم آگے بڑھائے سب سے اول غنیم کی طاقت زائل کرنے اور اپنی لاشوں سے خندق کو پُر کرنے کے لئے فوج کا ناکارہ حصہ آگے بڑھایا گیا۔ وہ سیڑھیاں اور کمندیں لگا کر فصیل پر چڑھ گئے۔ مگر عیسائیوں نے اونکو پیچھے ہٹا دیا۔ دو گھنٹہ اسی طرح لڑائی ہوتے رہنے کے بعد سلطان نے ہلہ کا حکم دیدیا اور وعدہ کیا کہ جو ینگچری سب سے پہلے فصیل پر پہنچیگا وہ پاشا بنایا اور زر و مال سے مالا مال کیا جاویگا۔ اور دوسرے سپاہیوں کو بھی جیسی جانفشانی وہ دکھلائینگے اوس کے مطابق انعام و اکرام ملیگا۔ اجازت ملنے کی دیر تھی کہ بہادر ینگچری مقید شیر کی طرح خلاصی پاتے

ہی اپنے شکار پر کود پڑے۔ توپخانہ نے آگ برسانی شروع کر دی۔ آسمان تاریک ہو گیا۔ اور خاموشی کافور ہو کر گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ بہادران اسلام عیسائیوں کی گولیوں۔ توپوں اور تیروں کی کچھ پروا نکر کے بڑے سوراخ میں داخل ہو گئے۔ کئی کمندیں لگاکر فصیلوں پر چڑھ گئے۔ اور بعض فصیل کے دوسرے شگافوں سے شہر میں داخل ہو گئے۔ مگر محصورین ابھی تک مقابلہ پر تلے ہوئے تھے۔ پیر جوان عورتیں اور بچے لڑائی میں شامل ہو گئے تھے۔ ترکوں کے پاؤں نہ جمے اور وہ پھر پیچھے ہٹا دیئے گئے۔ لیکن یہ ہٹنا عارضی تھا۔ وہ سنبھلے اور پھر حملہ کرنے کو آگے بڑہے۔ اتنے میں لشکر اسلام میں فتح کا نعرہ بلند ہو گیا۔ شاخ زرین کی طرف سے جو مسلمان ملاحین حملہ کر رہے تھے اونہوں نے ایک برج پر قبضہ کر لیا اور ہلالی جھنڈا اوسپر نصب کر دیا تھا جسکو فصیل پر لہراتا دیکھ کر دوسرے مسلمان شیروں کی طرح شہر پر کود پڑے۔ کلہاڑیوں اور شہتیروں سے پھاٹک توڑ دیئے گئے اور کل فوج شہر میں در آئی۔ اس موقعہ پر جان گسٹیانی کا ہاتھ تیر یا گولی سے زخمی ہو گیا وہ مورچوں سے ہٹ کر جراح کی تلاش کو چلا۔ قیصر نے اوسکو جاتا دیکھکر روکا اور کہا۔ تمہارا زخم خفیف اور خطرہ عظیم ہے۔ تمہاری موجودگی لازمی ہے۔ اور اب جاؤ گے بھی کہاں؟ گسٹیانی نے جو معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں آکر اوسان ہار گیا تھا جواب دیا کہ میں اوسی راستہ سے پیچھے ہٹونگا جس راستہ کو خدا نے ترکوں کے لئے کھولا ہے۔ یہ کہکر اندرونی فصیل کے ایک شگاف میں سے جو ترکوں کی توپوں سے ہوا تھا وہ شہر میں چلا گیا اور پھر لڑائی میں نہ دیکھا گیا۔ اوسکے بعد اوسکے سپاہی بھی پیچھے ہٹ گئے۔ اور محصورین کی طاقت مدافعانہ کا اسی وقت سے خاتمہ ہو گیا۔ مگر قیصر اپنی جگہ سے نہ ہلا اور حملہ آوروں کا برابر مقابلہ کرتا رہا لیکن اوسکی کوششیں اور بہادری بے سود تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ فاتحین کے سیل عظیم میں گھر گیا۔ اوسوقت بصد حسرت و یاس اوس نے بآواز بلند پکار کر کہا "کیا کوئی عیسائی زندہ نہیں رہگیا جو میرے سر کو قلم کرے"۔ اور آخر کار جب دیکھا کہ اب زندہ گرفتار ہوا چاہتا ہوں۔ خلعت شاہی کو جسم سے اتار کر پھینک دیا اور اپنے ایک ادنیٰ ترین سپاہی کیطرح مردانہ وار معرکہ رستخیز میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا اوسکی لاش مقتولین کی پشتوں میں سے بڑے شگاف کے قریب جہاں محصورین آخر تک لڑتے رہے تھے بتلاش بسیار پائی گئی۔

فاتحین نے شہر کو مشعلوں کی روشنی سے لوٹا اور ہر ایک سپاہی کو بیشمار زر و جواہر اور اقمشہ نفیسہ ہاتھ لگیں۔ چالیس ہزار عیسائی مقابلہ میں کام آئے۔ اور ساٹھ ہزار لشکر سلطانی نے اسیر کئے۔ بادشاہ فاتح بوقت ظہر شہر میں داخل ہوئے۔ اور سیدھے کنیسہ ایا صوفیا میں جاکر موذن کو آذان دینے کا حکم دیا۔ اور بارہ سو برس کی ظلمت تثلیث کو نور توحید سے دور کر کے نماز ظہر وہیں گذاری۔ اسکے بعد قیاصرہ کے محلات میں داخل ہوا۔ جنگی سنسانی اور ویرانی نے اوسکے دل پر ایسا اثر کیا کہ فردوسی طوسی کا یہ شعر بے اختیار اوسکی زبان پر جاری ہو گیا۔ ~

پردہ داری میکند بر قصر قیصر عنکبوت - چغد نوبت میزند بر گنبد افراسیاب +

تین دن کی عام لوٹ کے بعد سلطان نے شہر میں امن قائم کیا - اسیران شاہی سے نہایت نرمی سے پیش آیا عیسائیوں کے اکثر معابد و دیول انہی کے پاس رہنے دیئے - یونانی بطریق کو وہی اختیارات عطا کئے جو اون کو پہلے سے حاصل تھے - عیسائیوں کو کامل مذہبی آزادی بخشی اور حصار و بروج شہر کی مرمت و درستی کا حکم دیا پوپ کا ایلچی کارڈینل عیسا ڈور بھی دوسرے باشندوں کے ساتھ اسیر کر لیا گیا تھا - مگر اوس نے اپنا لباس بدل دیا ہوا تھا اسلئے پہچانا نہ گیا اور ایک حقیر رقم کے عوض ایک سوداگر کے پاس فروخت کیا گیا - جس کے پاس سے وہ کسی طرح سے بھاگ کر روما جا پہنچا گسٹیانی فتح سے بعد جلدی ہی شکستہ دل ہو کر جزیرہ کیوس میں مر گیا جو یونانی غلامی سے بچے وہ دیگر ممالک یورپ خاصکر اٹلی کو بھاگ گئے - اور قسطنطنیہ ایسا ویران اور غیر آباد ہو گیا - کہ سلطان محمد اکثر فراریوں کو تسلی و دلاسا دیکر واپس بلانے پر مجبور ہو گیا سینکڑوں یونانی اسیروں کو بنگچریوں سے خرید کر لیا اور انکو رہائش کے لئے فنار کا محلہ دیا غلاطہ کے اہالی جو اس مضافاتی محلہ میں برابر آباد رہے اور باقیماندہ کمی پوری کرنے کے لئے ایشیائی مقبوضات سلطانی سے پانچ ہزار مسلمان خاندان ستمبر تک قسطنطنیہ میں لا کر آباد کئے گئے اور انکو مراعات کثیر عطا کی گئیں - خاندان قیاصرہ کے اکثر ارکان شہر سے بھاگ گئے - اور ایک نے سوریا میں حکومت قائم کی - جب اس صوبہ کو بھی ترکوں نے فتح کر لیا تو اس حکمران سوریا کا بیٹا اینڈریو قسطنطنیہ میں مسلمان ہو گیا - باقیماندہ افراد کئی پشتوں تک اٹلی میں آباد رہے - انگلستان کے ضلع کارنوال کے قصبہ لینڈلف کے قبرستان میں ایک قبر کے برنجی کتبہ پر لکھا ہوا ہے کہ اس قبر میں تھیوڈور پلالوگس ساکن پیسارو (واقع اٹلی) جو آخری قیصر قسطنطین کے بھائی کی اولاد میں سے تھا مدفون ہے - اس شخص نے ایک انگریز عورت سے شادی کی تھی - اور ۲۱ جنوری ۱۶۳۶ء کو کارنوال میں فوت ہوا - ایک شخص مسمی جان انتھونی پلالوگس سکرس ٹیورن (واقع اٹلی) میں ۱۸۷۴ء کو فوت ہوا - وہ خاندان قیصریہ کی اولاد ہونے کا مدعی تھا - مگر اوس کا دعوے مشتبہ ہے -

کوتاہ کلام قسطنطین اعظم کی تاریخ بنا سے ٹھیک ۱۱۲۳ برس بعد قسطنطنیہ ہمیشہ کے لئے یونانیوں کے ہاتھ سے نکلا - اور بشارت محمدیہ سے تقریباً ساڑھے آٹھ سو برس بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آیا - اس سے پہلے وہ ۲۹ مرتبہ محصور اور سات دفعہ فتح ہوا - اس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے ۱۳۳۷ میل ہے - یورپین مؤرخین زمانہ وسطیٰ کا اختتام اور زمانہ تہذیب موجودہ کا آغاز فتح قسطنطنیہ سے شمار کرتے ہیں - یہ واقعہ دنیا کے عظیم ترین واقعات میں سے گنا جاتا ہے - اس فتح سے سلطان محمد نہ صرف فاتح کے معزز خطاب سے ملقب ہوا - بلکہ درجہ سلطانی سے بڑھکر شاہان یورپ میں شہنشاہ کے ممتاز لقب کا وارث و مالک ہو گیا -

بابِ سوم

فتح قسطنطنیہ کا اثر عیسوی ممالک پر۔ اسلام اور عیسویت کے مُلکی اقتدار کی مساوات میں عارضی تفاوت۔ مُسلمانوں کے زوال اور عیسائیوں کے عروج کے اسباب پر سرسری نظر۔ یونان کا فتح ہونا۔ سلطنت طرابزون کا معدوم ہونا۔ سلطان محمد کے جنگی کارنامے۔ اوسکی فتوحات اور ہزیمتیں۔ سُلطان کے خصائل۔ بایزید ثانی کی تخت نشینی۔ ایشیا میں خانہ جنگی۔ بایزید کے عہد حکومت کے واقعات۔ ینگچری فوج کی خودسری۔ بایزید عزل اور سلطان سلیم یاوز کی تخت نشینی۔ ایران کے ساتھ جنگ۔ فتح شام و مصر۔ فتوحات کا غیر معمولی سلسلہ۔ سُلطان کا مذہبی خلافت کا جانشین ہونا۔ فتح ایران کے لئے تیاریاں اور سلیم کی وفات۔ سُلطان سلیمان صاحبقران کی تخت نشینی۔ ترکوں کی بحری فتوحات۔ الجزائر کا فتح کرنا۔ سُلطان سلیمان کی دیگر فتوحات۔ اور طریقہ حکمرانی۔ اوس کی خوبیاں۔ اوس کی وفات۔ سلیم ثانی کی تخت نشینی۔ ممالک بربر کے مسلمانوں کی عیسائی ممالک پر تاخت و تاراج۔ فتح قبرس۔ لیپانٹو کی بحری جنگ۔ ترکوں کی شکست۔ عیسائیوں کا عدم مستعدی کے باعث اس فتح سے کوئی فائدہ نہ اُٹھانا۔ ریاست وینس سے خفیہ معاہدہ۔ عثمانیہ طاقت کا زوال سلیم ثانی کے وقت سے شروع ہُوا۔ اسباب تنزل جو مختلف موٴرخین نے لکھے ہیں۔

سُلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے تمام ممالک محروسہ کا دارالخلافہ بنایا۔ عیسائیوں کا خیال ہے اور وہ کسی قدر درست بھی ہے کہ اونکا یہ عالیشان شہر عیسائیوں کے باہمی رشک و حسد او زبردلانہ غفلت اور خودغرضیوں کی بدولت اون کے قبضہ سے نکلا۔ یورپ کی بڑی بڑی عیسوی قومیں اسوقت بھی عثمانیہ فتوحات کے سیلاب کو روکنے کے لئے کافی مضبوط تھیں۔ مگر اون میں اتحاد کا نام ونشان مفقود تھا۔ اور خفیف خفیف سے مذہبی اختلافات یا ملکی تنازعات نے آجکل کے مسلمانوں کیطرح اونکا شیرازہ پراگندہ کر رکھا تھا

عثمانیہ طاقت مسیحی دنیا کے لئے بڑی اندیشناک چیز تھی۔ اوس کی پیش قدمی کو روکنے کا کوئی مسلسل انتظام نہ کیا گیا۔ جس سے آخرش عیسائیوں کو وہ صدمہ عظیم پہنچا جس کا اثر ترکوں کے ہمسایہ ممالک پر ہی نہیں بلکہ دور دور تک محسوس ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ عیسائی قبل ازیں ترکوں کا کئی دفعہ متفق ہو کر مقابلہ کر چکے اور ہزیمت ہائے فاش کھا چکے تھے۔ اور ترکی حکومت کئی برسوں سے سرزمین یورپ میں قائم ہو چکی تھی لیکن قیاصرہ کے پایۂ تخت کو فتح کرنے سے ترکوں کے رعب داب اور اقبال و حکومت میں بے اندازہ ایزادی ہو گئی۔ یورپ کے جنوب مغربی گوشہ (ہسپانیہ و پرتگال) پر ابھی تک اسلام کا جھنڈا لہرا رہا تھا جو اب جنوب مشرقی حصہ میں بھی بڑی استقامت کے ساتھ نصب ہو گیا۔ اس سے دنیا میں اسلامی طاقت کا پلڑا عیسائیوں کے پلڑے سے پھر بھاری ہو گیا۔ لیکن افسوس عیسائیوں کی خوش نصیبی اور مسلمانوں کی بدبختی سے یہ حالت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ عیسائی گو دیر بعد مگر آخر خواب غفلت سے چونک پڑے اونکو خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر اس طاقت کو روکنے اور اپنی حالت کو سنوارنے کی کوشش نہ کی گئی تو ترک اپنے بادشاہ بایزید یلدرم کی دھمکی کو پورا کر کے عنقریب روۃ الکبرے کے کلیسیا اعظم (گرجہ سینٹ پیٹر) کی قربانگاہ پر اپنے گھوڑوں کو دانہ کھلاتے نظر آئینگے۔ اس خطرہ نے عیسائیوں کو مساوات قائم کرنے پر ابھارا اور سب سے پہلے اونہوں نے جنوب مغربی یورپ کی ضعیف و کمزور اسلامی حکومت کو دور کرنے پر کمر ہمت چست کی ہسپانیہ میں یہ حکومت آٹھویں صدی سے قائم تھی اور کل ملک سے عیسوی اقتدار کو محو کر دیا گیا تھا۔ لیکن سلسلہ کوہ پیرینیز کے دامن میں ایک چھوٹی سی ریاست آستوریاس باقی رہ گئی تھی۔

اندلس کے عرب حکمرانوں نے نشہ سرمستی میں اس پشہ بے حقیقت کی کوئی پروانہ کی اور آخر یہی بے نشان سی پھنسی اسلامی سلطنت کے حق میں مہلک ناسور ثابت ہوئی۔ اس ریاست نے عیسائی اقتدار کے بڑھنے کو خمیر کا کام دیا۔ یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ جسوقت کوئی قوم اپنی طاقت کو درجہ کمال پر پہنچی ہوئی تصور کر کے فتوحات مزید اور ملک گیری کا خیال چھوڑ کر محض تمدنی خوشحالی اور آسایش میں منہمک ہو جاتی ہے۔ تو جنگی اوصاف خود بخود اوس سے زائل ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ حتی کہ اوسکی سپاہ و فوج بیکاری اور آرام طلبی کی وجہ سے جنگی نبرد آزماؤں کا مجموعہ ہونے کی بجائے (اگر ملک میں اندرونی خوشحالی موجود ہو تو) بتدریج بانکے ترچھے زنانہ صفت جوانوں اور خوبصورت کھلونوں کی جماعت اور اگر تعطل و بیکاری نے افلاس بھی پیدا کر دیا ہو تو لٹیروں اور اٹھائی گیروں کا ایک انبوہ رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اندلس کے مسلمانوں نے بھی جب فتوحات مزید کا خیال چھوڑ دیا اور محض صنعت و حرفت اور اسکے لازمی ہمقدم عیاشی و کاہلی میں مصروف ہو گئے تو اون کی فوجیں جو کبھی دشمنوں کے ملکوں میں جا کر اونکا قافیہ تنگ کیا کرتی تھیں اپنے ملک کو بھی

بچانے کے قابل نہ رہ گئیں - اندلسوی عیسائیوں نے اسی چھوٹی سی ریاست سے نکل کر اسلامی مقبوضات کو دبانا شروع کر دیا - اور فتح قسطنطنیہ کے وقت تک اسلامی سلطنت کے دوش بدوش (جو اسوقت تک دو بادشاہیوں غرناطہ اور قرطبہ میں منقسم ہوچکی تھی) اسی کے مقبوضات چھین کر صوبہ اراگان اور صوبہ کیسٹل میں عیسائیوں کی دو زبردست بادشاہیاں قایم ہوچکی تھیں ؛ ۱۴۶۹ء میں فرڈیننڈ شاہ اراگان نے ایزبیلا ملکہ کیسٹل سے شادی کی جس سے دونوں ریاستیں ایک ہوگئیں - اس اتحاد نے عیسائیوں کی طاقت اسقدر بڑھا دی کہ انہوں نے بچے کھچے ٹکڑے بھی مسلمانوں سے چھیننے شروع کر دیئے اور آخرکار ۱۴۹۲ء میں بوعبدل آخری شاہ غرناطہ کو ملک بدر کرکے تمام اندلس پر عیسوی حکومت قایم کر دی اور اوس ملک سے جس پر آٹھ سو برس کامل اسلام نے فرمانروائی کی تھی مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹا دیا - اور جسطرح فتح قسطنطنیہ نے عیسوی دنیا کی پیشانی پر قیامت تک نہ مٹنے والا داغ لگا دیا تھا اوسی طرح مسلمانوں کے ہسپانیہ سے اس دیس نکالا نے ترکی حکومت پر ابدی دھبہ منقش کر دیا ہے - ترکوں کی طاقت اوس وقت نہایت زبردست تھی - اور گو عیسائی ابھرنے کے لئے بیطرح ہاتھ پاؤں مارنے لگ گئے تھے - لیکن اگر ترک اپنے ہم مذہب اندلسوی بھائیوں کی امداد کے لئے ذرا بھی ہاتھ آگے بڑھاتے تو آج ہم اندلس کو مسلمانوں کے وجود سے ایسا خالی اور خود ٹرکی کو دشمنوں کے نرغہ میں ایسا بے بس نہ پاتے - انصاف ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ پیر فلک ترکوں سے اب اسی غفلت اور باوجود طاقت و استطاعت دوسرے مسلمانوں کی دستگیری نہ کرنے کا ایسی بُری طرح سے بدلہ لے رہا ہے - افسوس ترکوں کو نشہ شہ زوری اور خمار حکومت نے اسوقت اور بعد بھی یہ سوچنے کی کبھی مہلت نہ دی کہ عیسائی ان اسلامی طاقتوں اور قوموں کو نابود نہیں کر رہے بلکہ ٹرکی کے دست و بازو اور اسلام کے پر و بال کاٹ رہے ہیں ترکوں کو ملزم ٹھہرانے کے ساتھ ہی (جیسے کہ وہ واقعی ہیں) ہمکو کسی قدر تقدیر کا قائل ہوکر اونکو معذور بھی سمجھنا پڑتا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے ہی بفحواے اپنے ارشاد "وتلک الایام نداولہا بین الناس" اوسی زمانہ سے عیسائیوں کا پھر ابھارنا مناسب خیال کر لیا تھا - اور اسی لئے اون کے واسطے سامان بھی ایسے عجیب و غریب بہم پہنچا دیئے - جن کا روکنا امکان انسانی میں داخل نہ تھا - یہ خدا ہی کی مرضی تھی کہ فتح اندلسیہ کے وقت تخت قسطنطنیہ پر ایک نہایت کمزور اور بودی طبیعت کا سلطان فرمانروا ہوا - جو ممالک غیر کے مسلمانوں کی امداد کرنا تو درکنار اپنے ملک کو ہی اندرونی بغاوت سے محفوظ نہ رکھ سکا - کیا یہ تعجب نہیں کہ بایزید کا قبل نشین تو محمد فاتح ہو اور اُس کے دو مسلسل جانشین سلیم خونخوار اور سلیمان صاحبقران ہوں - جن تینوں کے نام سے اب تک عیسائیوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں - اور عین اس موقعہ پر جبکہ اسلام کو ایک ان جیسے ہی زبردست بادشاہ کی

ضرورت تھی۔ ۱۴۸۱ء سے لے کر ۱۵۱۲ء تک بایزید ثانی ساکزور مزاج سلطان شاہان اسلام کا صدر رہا۔ اس وقت سے عیسائیوں پر خداوند کریم کی خاص مہربانی ہونے کا دوسرا بیّن ثبوت یہ ہے کہ اسی سال ۱۴۹۲ء میں کرسٹوفر کولمبس نے امریکہ کو دریافت کیا اور ایک عیسائی کے اس اکیلے کارنامہ عظیمہ سے کروڑوں میل مربع رقبہ رکھنے والے دو عظیم الشان برّاعظم کیا بلحاظ مذہب و کیا بحیثیت ملکی اقتدار خالصتاً عیسائیوں کے قبضہ میں آگئے۔ اور آج وہی امریکہ عیسائیوں کی مالی۔ صنعتی۔ مذہبی۔ تمدنی اور علمی طاقت کا مرکز۔ اور مسلمانوں کے وجود سے ویسا ہی پاک ہے جیسا کہ ہسپانیہ۔ گویا کہ ۱۴۹۲ء کے لئے روز ازل سے یہ مقدر کر دیا گیا تھا۔ کہ جو ملک اس برس میں عیسائیوں کو ملے۔ وہاں مسلمان کا نام نہیں پایا جائیگا

اس موقعہ پر یہ بتانا بھی شاید نامناسب نہ ہوگا کہ قومی اقتدار بلکہ خود قومی وجود کے قیام کے لئے علوم وفنون۔ صنعت وحرفت۔ تجارت وفلاحت ملکی حکمت عملی وتدبر اور فنون سپاہگری میں زمانہ کی ضرورت کے مطابق ترقی کرتے چلا جانا اور فتوحات مزید کے سلسلہ کو جاری رکھکر فوجوں کے لئے عملی مشغلہ بنائے رکھنا۔ یعنی ان میں سے ہر ایک اور یہ سب بالمجموع ضروریات سے ہیں اور اوس قیام کے لئے یہ لازم وملزوم کا تعلق رکھتی ہیں۔ جو قوم ان باتوں میں سے کسی ایک میں پیچھے رہے۔ اوس کا خمیازہ اوس کو اُٹھانا پڑے گا۔ اندلس کے مسلمان فاضل اجل اور عالم اکمل۔ اوّل درجہ کے صنّاع۔ زراعت وتجارت میں ید طولےٰ رکھنے والے اور علوم وفنون میں بے نظیر دستگاہ رکھتے تھے۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں فتوحات کا سلسلہ اور فنون سپاہگری میں ترقی بند ہونے نے اون کو یورپ سے نکلوا کر چھوڑا۔ وسطی افریقہ کے علاقہ کانگو اور مغربی افریقہ کی فلاح ریاستوں کے عرب بیکار۔ کاہل۔ جاہل محض۔ وحشی اور بزدل نہیں۔ یہ وہی مقام ہیں جو صدیوں سے اسلامی علوم کا مخزن چلے آتے ہیں۔ اور گو ریاست ینوپ کے دارالخلافہ کا نام جسے حال ہی میں انگریزوں کی رائل نائیگر کمپنی نے فتح کیا ہے۔ بیضا سنکر یا بسبب کامل ناواقفیت کے انگریزی اخباروں سے اوسے "بیدا۔ بیدا" پڑھکر ہمارے دلوں میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوتی ہو۔ مگر یہ وہی شہر ہے جو مشہور ومعروف اسلامی کتاب تفسیر بیضاوی کے مصنف امام بیضاوی کا مسکن تھا۔ اور جہاں ۱۸۹۶ء میں بھی غلام قانون شہادت ایسے اَدَق مضمون پر بازاروں میں لکچر دیتے تھے۔ تجارت کرنا ان لوگوں کا آبائی پیشہ اور شجاعت وتہوّر عربوں کا موروثی جوہر ہے۔ لیکن زمانہ کی ضرورت کے مطابق ترقی کرنے سے انگریزی میکسم توپوں اور میگزین رائفلوں کے سامنے شجاعت وتہوّر اور علم وفضل کی کوئی پیش نہ گئی۔ ٹرکی کی آج یہ گت کیوں بن رہی ہے۔ فتوحات کا سلسلہ بند کیا۔ علم وہنر اور تجارت وصنعت وحرفت کی طرف توجہ نہ کی۔ بگڑنے لگے۔ مگر پھر بھی خیر تھی کہ جلدی ہی متنبہ ہو کر فوجی معاملات میں زمانہ کی ترقیوں

کے قدم بقدم چلنے لگ گئے اور فتوحات کے عوض دشمنوں کے حملوں سے عملی مشغلہ کا کام دیکر ترکوں کی جنگی قابلیتوں کو زائل یا کم نہ ہونے دیا۔ یورپ و امریکہ کی عیسائی سلطنتوں اور ایشیا میں جاپان نے اس گُر کو خوب سیکھ لیا ہے۔ انگریزی سلطنت ہنوز ایسی وسیع ہے کہ اوس پر آفتاب کسی وقت غروب نہیں ہوتا۔ مگر انگریز اپنی سلطنت کی وسعت پر نازاں ہو کر جسطرح تجارت و صنعت و حرفت اور علوم و فنون میں روز افزوں انہماک کے ساتھ مشغول ہیں ویسے ہی ملکی فتوحات کے میدان میں ہر روز انکا قدم آگے پڑھ رہا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ وہ چڑھاؤ ہے جسمیں ایکدم کے لئے بھی ٹھیر جانا نیچے گرنے کا یقینی باعث ہے۔ ہر کمالے را زوالے کی مثل بالکل غلط ہے۔ بلکہ اپنی ترقی کو کامل فرض کر لینا ہی زوال کا باعث ہے۔ انسان کے دل و دماغ اور جسم کو عیاشی۔ بادہ خواری اور کاہلی سے لاکھ معطل اور بیکار کرنے کی کوشش کرو۔ یہ فطرتی تقاضا ہے کہ وہ نچلے نہیں رہ سکتے۔ جب ان کو دشمنوں کی تخریب اور اندرونی و بیرونی قومی ترقی کیلئے استعمال کرنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو وہ خود بخود ابتداءً غیر محسوس طور پر اپنی ہی تخریب کیلئے کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ انسان کی طبیعت میں حیوانوں کے زمرہ میں ہونیکی وجہ سے غارت کرنیوالے مادہ کو بالفطرت تعمیر و بنا کنندہ مادہ پر غالب رکھا گیا ہے۔ بنا بریں جو دماغی قوت غیروں کی پامالی کے جوڑ توڑ میں اور جو جسمانی طاقت اونکی بربادی میں صرف ہوتی تھی وہ اب اندرونی قومی و شخصی فتنہ و فساد برپا کرنے اور ایک بھائی کا دوسرے بھائی کے گلے کاٹنے میں خرچ ہونے لگ جاتی ہے۔ پیغمبر عرب صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ کیا تھا یہی کہ عرب کی طاقتوں کو جو آپس میں ہی ایک دوسرے کی تباہی پر صرف ہو رہی تھیں جمع کر کے اُن کو غیروں کے مقابلہ پر لگا دیا۔ اس مختصر بحث کو اور زیادہ طول دینا مناسب نہ سمجھکر میں اپنے مدعا کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ کیونکہ مسلمانوں کے موجودہ نکبت و افلاس کے اسباب دور کرنے میں جبتک فضل ایزدی بھی شامل حال نہ ہو تنہا مسلمانوں کی ہمت و کوشش سے کچھ نہیں بنیگا۔

فتح قسطنطنیہ سے مسیحی دنیا کے لئے ویسا ہی خطرہ پیدا ہو گیا تھا جیسا کہ آٹھویں و نویں صدی عیسوی میں فتوحات عرب سے۔ جنہوں نے تقریباً تمام ہسپانیہ و پرتگال کو مغلوب کر کے فرانس پر فوجکشی کی۔ اور جزائر مجورکا منورکا اور سسلی (صقالیہ) وغیرہ میں حکومت قائم کر کے سلطنت روما کا خاتمہ بالخیر کرنے کی بھی نیت کر لی تھی۔ اور کئی دفعہ اس غرض کے لئے قسطنطنیہ پر چڑھائی بھی کی تھی۔ مگر فائز بمرام نہ ہوئے۔ حضرت ابو ایوب انصاری شہید کا مزار جس کے متصل سلطان محمد فاتح نے فتح کے بعد فوراً عالیشان مسجد تعمیر کی۔ اوسی زمانہ کی یادگار آجتک قائم ہے۔ اس خطرہ کو تمام یورپ تسلیم کرتا تھا۔ لیکن عیسائی فرمانرواؤں کی نا اتفاقی کے باعث سر دست اوسکا کوئی تدارک ممکن نہیں تھا۔ شہنشاہ جرمنی کا سکرٹری مسمی انئیس سلوی اس جو بعد میں پائس ثانی کے خطاب سے ملقب ہو کر عیسائیوں کا اسقف اعظم یعنی روما کا پوپ ہو گیا۔ عیسائیوں کی اس حالت تباہ پر دردناک مرثیہ لکھکر پوپ کو بے سر کا جسم بتاتا ہے اور اوسے ایک ایسی جمہوری ریاست قرار دیتا ہے جس میں قانون اور مجسٹریٹوں کا کوئی وجود نہ ہو۔ اور سب کو آپا دھاپی اور نفسا نفسی پڑی ہو۔ سلطان محمد جیسا جوانمرد اور [illegible]

فرانروا عیسائیوں کی اس نااتفاقی سے فائدہ اٹھانے سے کب چوکنے والا تھا قسطنطنیہ سے فراغت پاتے ہی وہ دیگر عیسوی ممالک کے فتح کرنے پر متوجہ ہوگیا۔

یونان چھوٹی چھوٹی کمزور ریاستوں میں منقسم تھا جو ایسے زبردست دشمن کی مزاحمت کرنے سے بالکل عاجز تھیں سلطان فاتح لشکر جرار لیکر اسپر حملہ آور ہوا اور چند برسوں میں یونان کے جنوبی حصہ یعنی جزیرہ نما موریا اور اوسکے اکثر دیگر حصص کو فتح کرکے ممالک محروسہ میں شامل کرلیا۔ البتہ وینس کی جمہوری ریاست نے شمال مغربی کونہ پر نہ صرف اسکی پیش قدمی کو کچھ عرصہ کیلئے روکدیا۔ بلکہ سلطان سے اوسکے چند نومفتوحہ علاقے بھی چھین لئے۔ مگر آخر کار یہ ریاست بھی تاب مقاومت نہ لاسکی اور اپنی سلامتی کیلئے سلطان سے صلح کرلینے پر مجبور ہوئی۔ یونان کے بعد طرابزون کی یونانی عیسوی سلطنت کو فتح کیا گیا۔ اس ریاست کو یونانی شاہی خاندان کے شاہزادہ کومنینی نے جو ۱۲۰۴ء میں قسطنطنیہ سے نکال دیا گیا تھا۔ بحیرہ اسود کے جنوبی ساحل پر قدیم علاقہ کولکیس میں قائم کیا تھا۔ سلطان محمد کی فوجکشی کیوقت اسی شاہزادہ کی اولاد میں سے ایک شخص اس ریاست پر خود مختار بادشاہ تھا۔ اس زمانہ میں ایران کی طاقت بھی بہت زبردست تھی۔ جارجیا، سرکیشیا، آرمینیا اور کوہ قاف کا تمام علاقہ جو اسوقت زیادہ تر روس کے قبضہ میں اور کسی قدر ترکوں کے پاس ہے، ایرانی مقبوضات تھے۔ اور سلطنت طرابزون ایرانی علاقہ سے ملحق تھی موجودہ شاہ ایران حسن اوزون .... نے طرابزون کے شاہی خاندان کی لڑکی سے شادی کی تھی اس بنا پر شاہ موصوف اسبات کے مدعی ہوئے کہ سلطنت طرابزون کے موجودہ فرمانروا کے بعد سلطنت مذکور وارث شاہ اونکا حق ہے۔ سلطان محمد نے اس دعوی کو نظر حقارت دیکھکر ۱۴۶۱ء میں قصبہ طرابزون کو فتح کرکے اس ریاست کو معدوم کردیا جس سے یونانیوں کی آخری ریاست بھی زائل ہوگئی۔ اور وہ تمام ترکوں کی رعیت بنگئے۔ ترکوں نے اس قوم پر کوئی احسان کیا یا نہیں اسپر ہم ابھی بحث نہیں کرتے لیکن ۱۸۱۴ء سے لیکر ۱۸۲۶ء تک اس قوم نے بغاوت عظیم برپا کرکے اور اوسکے دوران میں لاکھوں معصوم و بیکس ترک عورتوں اور بچوں کو طرح طرح کے عذاب سے قتل و ہلاک کرکے اپنی طبعی نمکحرامی کا قطعی ثبوت دیدیا۔ اور ان کے ساتھ ہی چند دول یوروپ اور انگلستان کے مشہور شاعر لارڈ بایرن جو بدچلنی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ مگر انگریزی قوم اوسے فخر انگلستان سمجھتی ہے) اور اوسکے دیگر شرکاء نے ان نمکحرام سیہ کاروں کی حمایت و امداد کرکے اپنی تہذیب و انسانیت کو بخوبی ظاہر کردیا۔ فتح طرابزون سے مسلمانوں کو عیسائیوں سے ایک اور علاقہ تو مل گیا۔ مگر اس سے شاہ ایران کے دل میں جو گرہ بیٹھ گئی۔ اوس کے لحاظ سے اس فتح کو مسلمانوں کے حق میں اگر نامبارک بھی کہا جائے تو بیجا نہیں ہوگا۔ اس میں کلام نہیں کہ اسلام کی دو عظیم الشان سلطنتوں ٹرکی و ایران میں جانگداز عناد و عداوت قائم ہوجانے کا اصلی اور سب سے بڑا سبب اور یہی ہے تاہم ملکی تنازعات نے اوس آگ کو جو مشتعل ہوا چاہتی تھی کچھ کم مدد نہیں دی۔

سلطان محمد کا طویل زمانہ حکومت جو تقریباً تیس برسوں سے زیادہ ہے فقط جنگی کارناموں کا ایک مسلسل اور

غیر منقطع سلسلہ تھا۔ لیکن یہ کارنامے ہمیشہ فتح و نصرت کیساتھ ہی ختم نہ ہوتے رہے۔ اس بہادر سلطان کو کئی دفعہ ہزیمت بھی اُٹھانی پڑی جنمیں سب سے بڑی محاصرہ بلگریڈ (دار الخلافہ سرویا) کی ہزیمت تھی۔ محمد فاتح نے عیسائی ممالک کی اس کلید کو حاصل کرنیکے لئے لشکر جرار اور کئی سو توپیں لیکر اسپر فوجکشی کی۔ اور اُسکا محاصرہ کرلیا عیسائیوں کا سپہ سالار وہی نامور جرنیل جان ہنیاڈ اس تھا جس کا ذکر سلطان مراد کے حالات میں بھی آچکا ہے! اس مقام کا فتح کرنا ایسا ضروری تھا کہ سلطان بذات خاص لڑائی میں شریک ہوتے رہے لیکن ۶ اگست ۱۴۵۶ء کی لڑائی میں اُنکو کاری زخم پہنچا۔ جسکی وجہ سے اونہوں نے راتوں رات محاصرہ کو اٹھاکر بلگریڈ سے مراجعت کرلی۔ ہنیاڈ اس فاتح قسطنطنیہ کو پسپا کر کے خوشی سے جاموں میں پھولا نہ سماتا تھا لیکن آخری معرکہ میں وہ بھی سخت مجروح ہوچکا تھا اور اس مہلک زخم نے اوس کو چند دن زیادہ اس فتح عظیم پر خوشی منانے کیلئے مہلت نہ دی محاصرہ بلگریڈ کے علاوہ دریائے ڈینوب کے شمالی صوبہ مالڈیویا اور ہنگری کے جنوبی صوبہ ٹرانسلونیا میں سلطانی افواج کو متعدد دفعہ دشمنوں کے مقابلہ سے پسپا ہونا پڑا۔ اور جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے محسن کش سکندر بیگ گو آخر پامال کیا گیا تاہم برسوں تک اس زبردست شہنشاہ کا مقابلہ کرتا رہا۔

اپنی سلطنت کے آخری دنوں میں سُلطان محمد نے میشا پلو لوگس پاشا جو مقتول قیصر کے عزیزوں میں سے تھا اور اسلام قبول کرلینے کی وجہ سے سُلطان کی نظروں میں بہت عزیز اور صاحب وقعت ہوگیا تھا فوج جرار دیکر جزیرہ رہوڈس پر روانہ کیا۔ مگر وہ ۱۴۸۰ء میں وہاں کے مذہبی نائیٹوں سے شکست کھاکر واپس آگیا۔ سلطان اس شکست سے ایسے برافروختہ ہوئے کہ انہوں نے بذات خود جزیرہ پر یورش کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ مگر زندگی نے وفانہ کی۔ جزیرہ رہوڈس کے نائیٹوں نے جو سینٹ جان یعنی حواری یوحنا کے نائیٹ یا شہسوار کہلاتے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی کے اخیر پر جبکہ عیسائی مجاہدین نے ارض مقدس کو فتح کیا تھا فلسطین میں اس جنگجو مذہبی طبقہ یا گروہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ ۱۳۰۹ء یا ۱۳۱۰ء میں انہوں نے جزیرہ رہوڈس پر قبضہ کیا۔ اس جزیرہ سے نکل کر وہ ترکی جہازوں پر چھاپہ مارا کرتے تھے۔ اور بیش بہا مال غنیمت ان تجارتی جہازوں سے لوٹ کر پھر جزیرہ میں واپس آکر قہر سلطانی سے محفوظ ہوجاتے تھے۔

سُلطان محمد نے ان کی متواتر گستاخیوں سے تنگ آکر اونپر فوجکشی کی تھی۔ اور گو وہ اپنی زندگی میں اس مدعا میں ناکامیاب رہا اور عیسائیوں کو اس مضبوط مقام سے بیدخل نہ کرسکا۔ تاہم اوسکی ان چند ہزیمتوں کی تلافی۔ یونان والیشیا۔ سرویا۔ بوسینا۔ البانیا۔ اپائیرس۔ کریمیا۔ قرمانیہ اور بحیرہ مجمع الجزائر کے بڑے بڑے جزیروں کے فتح کرلینے سے بخوبی ہوگئی۔ بحیرہ اڈریاٹک کے ساحلی ممالک البانیا و اپائیرس اور دریا ڈینوب کے صوبجات مالڈیویا والیشیا اور سرویا کی نسبت یہ کہنا کہ سلطان محمد نے اونکو فتح کیا کسی قدر درست نہیں ترکی سلطان انکو پہلے سے فتح کرچکے تھے۔ البتہ انپر ترکی سکہ اچھی طرح نہیں جما تھا۔ سلطان محمد نے اس اقتدار کو مضبوط کردیا

ان فتوحات یا تجدید قبضہ کے علاوہ ساحل بحیرۂ اڈریاٹک کے صوبجات اسٹریا، کارنی اولا۔ اور ڈلمیشیا پر متواتر یورشیں کی گئیں۔
جمہوری ریاست وینس کے مقبوضہ فریولی پر حملہ کیا گیا۔ اور اس بحری جمہوری طاقت کو ۱۴۷۹ء میں البانیا کا صدر مقام سکوتری
اور دیگر مقامات حوالہ کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اٹلی کا بندرگاہ اوٹرانٹو ۱۴۸۰ء میں فتح کیا گیا۔ اور شاہ ایران کو کئی دفعہ عثمانیہ صولت وجلال کا جلوہ دکھایا گیا۔
اوٹرانٹو کے قبضہ سے تمام اٹلی میں ایسا تہلکہ برپا ہو گیا کہ پوپ سکسٹس چہارم تک نے اپنا بوریا بستر باندھ لیا
اور ملک سے بھاگ جانے کے لئے تیار ہو بیٹھا۔ مگر عیسائیوں کی خوش نصیبی یہاں بھی اپنا کام کر گئی خداوند کریم کو
اسلامی بہادروں کا ایک حد معین سے تجاوز کرنا منظور نہ تھا۔ وقعات گذشتہ اور حالات موجودہ نے حضرت سرور کائنات
(صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان ارشادات کی کامل تصدیق کر دی ہے کہ باری تعالے کو ان ہر دو نوں مذہبوں کا قیامت
تک ایک دوسرے کے دوش بدوش قائم رکھنا منظور ہے چنانچہ مسلمانوں کو اس فتح سے بھی اوسی امر نے فائدہ
نہ اٹھانے دیا۔ جو اون کو مسلمانان اندلس کی حمایت و دستگیری کرنے سے مانع ہوا یعنی یہ فتح اوسوقت نصیب ہوئی
جبکہ سلطان فاتح کا جام عمر لبریز ہونیوالا تھا۔ اور عنقریب تاج عثمانیہ ایک ایسے سر پر رکھا جانے والا تھا۔ جو کم از کم
ایسے موقعہ پر اوس تاج کے قابل نہیں تھا یہی فتح اگر چند برس پہلے ہوتی۔ یا خداوند کریم سلطان محمد کی عمر میں اور
چند برس کا اضافہ کر دیتا۔ اور نہیں تو یہ فتح بایزید ثانی کے بعد سلطان سلیم یا سلیمان کے وقت میں ہی حاصل ہوتی
تو کیا یہ ممکن تھا کہ بایزید یلدرم (اول) کی وہ دھمکی پوری نہ ہوتی جسکے پورا ہونے کیلئے بہادر احمد پاشا فاتح
اوٹرانٹو نے ۱۴۸۰ء میں سامان بہم پہنچا دیئے تھے کارخانہ قدرت بھی عجب نیرنگیاں دکھاتا ہے۔ ایک بایزید تو
فتح اطالیہ کا پیش خیمہ کھڑا کرتا ہے اور دوسرا بایزید باوجود موجودگی وسائل اوس فتح کی توقع کو ہمیشہ کے لئے معدوم
کرتا ہے۔ الا ماشاء اللہ سلطان محمد کی بیوقت موت سے پوپ سکسٹس کو بھاگ جانے کی ضرورت باقی نہ رہ گئی۔
اس نازک موقعہ پر جبکہ اسلام کی طاقت کا مجتمع ہونا یا کم از کم ترکوں کا اپنے مسلمان بھائیوں کی طرف سے بالکل
مطمئن ہونا سخت ضروری تھا۔ شاہ ایران نے دیگر چند ایشیائی مسلمان فرمانرواؤں سے سلطان کے برخلاف
اتفاق کر کے سلطان کے فرزند اکبر بایزید کو نقصان عظیم فاش شکست دی مہم رہوڈس کی ناکامیابی پر اس دوسری ہزیمت نے
سلطان محمد کے نائرۂ غضب کو سخت مشتعل کر دیا۔ اوس نے قابل تعریف بلکہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ وہ جرار لشکر فراہم
کئے اور سب سے پہلے شاہ ایران کی طاقت کو توڑنا لابدی تصور کر کے میدان جنگ کیطرف روانہ ہوا۔ مگر رستہ ہی میں ۳ مئی
۱۴۸۱ء کو ۵۲ سال کی عمر میں مرض نقرس کے حملے سے صوبہ بیتھنیا کے ایک چھوٹے سے قصبہ ازن مکید میں جو بہت
دیگر قصبہ جیکو میدیا میں واعی اجل کو لبیک کہہ گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اوسکا جسم فانی وہاں سے لا لا جا کر قسطنطنیہ میں دفن
کیا گیا۔ اور اوسکی قبر پر کتبہ کندہ کیا گیا "میرا ارادہ رہوڈس کو فتح اور مغرور اٹلی کو منکوب کرنیکا تھا" سلطان فاتح کی
موت کو اہالی اطالیہ نے واقعی بجا طور پر اپنی مخلصی کا باعث سمجھا۔ چنانچہ باشندگان روم نے اسکی خوشی میں تین دن تک متواتر

جشن کیا۔ افسوس سلطان مرحوم کے ہر دو فرزند بایزید اور جمشید اپنے نامور باپ کی آخری آرزو کو جو اوسکی قبر کے سرہانے جلی حروف میں موجود تھی اور عثمانیہ قوم کو اپنے پورا کرنے جانیکی تاکید کر رہی تھی۔ اوسکے آنکھیں بند کرتے ہی فراموش کر گئے۔ ورنہ چند سال بعد ہی اوٹرانٹو کی گلیاں مسلمانوں کے خون سے تر نہ ہوتیں۔

سلطان محمد عظیم الشان انسانی طاقتوں کا مجموعہ اور حکمت عملی و تدبیر میں ید طولی رکھتا تھا۔ عیسائی مورخ اوسکو سخت بیرحم اور نہایت دغاباز لکھتے ہیں۔ اونکا بیان ہے کہ کوئی شخص اوسکی عنایت یا وعدہ پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ ایک اور عیسائی مورخ جسے منصف مزاجی کا دعوے ہے تحریر کرتا ہے کہ "سلطان کی سفاکی کی بعض روایات غالباً بہت مبالغہ آمیز ہیں۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ وہ اپنے حصول مدعا کے سامنے انسانی جان کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا تھا۔ اوسکی ناراضی پیام اجل تھی اور موقعہ ملجاتے یا ضرورت لاحق ہوجانے پر وہ اپنے حلفی قول و اقرار سے بڑی دلیری کے ساتھ منحرف ہوجاتا تھا۔ عیسائی مورخین کو اونکی ان الزامی تحریروں کا الزامی جواب دینے کے لئے ہمکو سلطان مرحوم کے ہمعصر عیسائی فرمانروایوں کے حالات معلوم کرنیکی تکلیف اُٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اوس زمانہ کو (جو زمانہ وسطیٰ کے نام سے موسوم ہے) خود عیسائی تاریکی یا سفاکی کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اس انیسویں صدی کے آخری عشرہ کی کامل تہذیب اور انسانیت کے زمانہ میں بھی مہذب سے مہذب عیسوی گورنمنٹ کے کارناموں میں ایسی سفاکی یا خونخواری اور بے ایمانی پائینگے جسکی نظیریں سلطان محمد کے عہد حکومت میں شائد بہت کم ملینگی۔ مگر میں اس سفاکی یا خونخواری پر عیسائی گورنمنٹوں کو الزام دینے کی کوئی وجہ نہیں پاتا۔ دنیا میں کوئی چیز بذاتہ اچھی یا بُری نہیں۔ ہر ایک کے لئے محل استعمال موجود ہے۔ اور اوسکے بیمحل برتے جانے کا نام برائی ہے۔ قاتل کو پھانسی دینا سفاکی نہیں۔ اور اوسپر مہربانی کرنا سخت بُرائی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے عیسائی اور بعض مسلمان مورخین اور معلمان اخلاق اعتراض کرتے وقت کتابی اخلاق کو مدنظر رکھ لیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں اوسپر عمل کرنا تقریباً ناممکن ہے اگر وہ اخلاق کے علمی یا قابل عمل پہلو کو لیں تو اونکو کبھی اعتراض کرنیکا موقعہ ملے۔ حسب مقتضائے وقت و ضرورت جو سفاکی یا سختی کی جائے اوسکا معیوب ہونا تو درکنار وہ مستحسن بلکہ لازمی ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی کسیکو انکار نہیں ہو سکتا کہ بسا اوقات سفاکی و سختی کا استعمال بلا ضرورت اور بیمحل کیا جاتا ہے۔ پس مورخین کا الزام دینے سے پہلے یہ تمیز کر لینا فرض ہے کہ آیا ایسی سختی کی کوئی ضرورت تھی یا نہیں۔ سلطان محمد پر عیش پسندی کا الزام بھی لگایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ فرقہ اناث سے اوسکے تعلقات سچی محبت اور مروت سے معرا تھے امر دوم کی تائید یا تردید کوئی نہیں کر سکتا۔ دلی جذبات کا عالم صرف خدا ہے۔ البتہ پہلے امر کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن سلطان کی عیش پسندی شجاعوں کی عیش پسندی تھی محمد شاہی عشرت پسندی نہ تھی۔ اور اس وصف سے کوئی شجاع خالی نہیں پایا جائیگا جسکا دل دماغ اور قوائے ذہنی و جسمانی تندرست و مضبوط ہوں وہ ہر ایک قوت سے جو قدرت نے انسان کو عطا کی ہے مستفید ہوگا۔ کمزور اور ناتواں جسمانی یا روحانی لذات سے کیا بہرہ ور ہو سکتا

ہے۔ سلطان کی دماغی اور علمی قابلیت اور ذہانت کے سب قائل ہیں۔ وہ اپنی مادری زبان ترکی کے علاوہ عربی فارسی لاطینی اور یونانی میں تقریر و گفتگو کرسکتا تھا۔ اوسکی علمی استعداد اور علم دوستی اپنے ہم قوموں سے جو بحیثیت قوم بھی علم کے کم شائق مشہور نہیں بہت بڑھی ہوئی تھی طبیعت سوزوں پائی تھی۔ نظم کو پسند کرتا اور خود بھی کبھی کبھی شعر کہتا تھا۔ تاریخ سے خاص شوق تھا۔ اسکندر یونانی اور قیصر جولیس کے کارنامے اوسے ازبر یاد تھے۔ اور انہی فاتحان کو اوسنے اپنا نمونہ بنایا تھا۔ جن سے وہ کم نہیں رہا۔ بارہ سلطنتیں اور ریاستیں اور دوسو سے زیادہ شہر و قلعے فتح کئے۔ ترکی مؤرخین اوسے محمد بوجہ (اعظم) اور محمد فاتح لکھتے ہیں۔ اور یورپین مؤرخ اوسکو پہلا ترکی امپراطور تحریر کرتے ہیں۔ گو اوسکے طفیل ترکی حکومت و اقتدار میں بہت وسعت ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسکے ہم مذہب اوسکی نظلم شعاری اور کسی قدر مذہبی پابندیوں سے آزاد ہونیکی وجہ سے اوس سے خوش نہیں تھے۔ بلکہ بعض کے خیال میں تو وہ بالکل لا مذہب تھا۔ مگر رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشارت کو پورا اور چار دانگ عالم میں اسلام کی شان و شوکت کو نمایاں کرنیوالے پر ایسا حرف رکھنا صریح نادانی ہے۔ بات یہ ہے کہ اولوالعزم اور مضبوط دل فرمانروا متعصب تنگ خیال کٹ ملاؤں کے بہتروں میں نہیں آتے۔ جو انکو بیدین اور ملحد کا خطاب دیکر اپنے دل کا بغض نکالنا شروع کردیتے ہیں۔ وہ ایک آزاد خیال اور آزاد رائے بادشاہ تھا۔ اوسنے وینس سے ایک مشہور مصور جنٹائل بلینی کو اپنے دربار میں بلاکر خود اپنی اور کئی تصویریں تیار کرائیں شائد بعض ملاء اسبات سے بھی ناراض ہوگئے ہوں دوسری طرف عیسائی جدت طرازوں نے اس واقعہ کے متعلق اپنے ڈھب کی ایک خیالی روایت گھڑلی۔ وہ لکھتے ہیں کہ مصور مذکور نے جب یحییٰ[1] پیغمبر کا سر تن سے جدا کئے جانیکے وقت کی تصویر پیش کی تو سلطان نے اوسکی بہت تعریف کرکے یہ اعتراض کیا کہ گردن کی رگہائے بریدہ پیچھے کو کافی کھنچی ہوئی نہیں اور اپنے دعوے کے ثبوت میں اسی وقت ایک غلام کا سر قلم کئے جانے کا حکم دیا۔ یہ نقشہ دیکھکر بلینی ایسا ڈر گیا کہ جب تک وہ پھر وینس نہ جا پہنچا اوسے ایک گھنٹہ کے لئے بھی کبھی آرام اور طمانیت نصیب نہ ہوئی۔

فاتح قسطنطنیہ قد میں درمیانہ۔ چوڑا جسم اور نہایت شہ زور تھا۔ رنگ گندم گوں۔ چہرہ کا بشرہ عموماً اور اس اور بوقت غضب نہایت دہشت ناک۔ بینی لمبی اور خمدار۔ آنکھیں تیز اور گہری تھیں۔ ذاتی وقار کا ایسا خیال تھا کہ وزیر اعظم تک کو اپنے ساتھ دسترخوان پر شامل نہ کرتا۔ اور جنگ کے وقت میدان میں گو ادنےٰ سے ادنےٰ سپاہی کا ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھتا تھا مگر غیر سرکاری موقعوں پر کسی سے ملنے جلنے کی نسبت تنہا رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ تنہائی پسندی سے ممکن ہے جو نتیجہ عیسائی مؤرخین نے نکالا ہے۔ درست ہو۔ مگر اس کا باعث یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ فتوحات تازہ کی ادھیڑ بن اور انتظام ملک کے لئے احسن تجاویز کی سوچ بچار جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اوسکو

[1] یہ عیسے مسیح کی ولادت سے پانچ برس پہلے پیدا ہوئے۔ اور ۲۵ء عیسوی میں شہید کئے گئے۔ حضرت ذکریا کے اکلوتے فرزند تھے۔

امن کے زمانہ میں زیادہ تر خلوت میں رہنے پر مجبور کرتی ہوں۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے بھائیوں کو قتل کرا دیا تھا۔ بعد میں علماء سے فتویٰ لیکر حکمران سلطان کے ایسے بھائیوں کو مروا دینا جنسے نقص امن کا اندیشہ ہو سکے قانوناً جائز کر دیا۔ یہ رسم ملک و قوم کیلئے مضر بھی ہے اور مفید بھی۔ تاہم خوشی کا مقام ہے کہ اب سلطنت عثمانیہ میں اس کا نام باقی نہیں رہ گیا۔ سلطان میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک حکمران کیلئے لازمی ہیں۔ اُسنے ملک کے حسن انتظام اور عدالتوں کی ترتیب کے لئے پرانے اور نئے قوانین سے ضروری حصے اخذ کر کے نیا مجموعہ قوانین تیار کیا۔ تمام سرکاری ملازموں اور عہدہ داروں کو دیانت و انصاف سے فرائض مذہبی ادا کرنے کی سخت تاکید تھی۔ اور جو حاکم اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا اوسکو سخت عبرتناک سزا دیتا تھا۔ چوری کا اوسکی قلمرو میں کوئی نام نہیں جانتا تھا۔ اور گو رعایا کو مسلسل لڑائیوں کے لئے سپاہی بہم پہنچانے پڑتے تھے۔ اور اوس کے عہد میں آٹھ لاکھ ترکی سپاہی شہید ہوئے تاہم رعایا نہائت آسودہ حال اور فارغ البال تھی۔

ابوالمعالی سلطان محمد خاں کی وفات پر وزیر محمد پاشا نے چھوٹے لڑکے جمشید کو تخت نشین کرنا چاہا۔ مگر سپاہ ینگچری نے اس امر کو منظور نہ کر کے محمد پاشا کو قتل کر ڈالا۔ اور اسحاق پاشا کو اوسکی جگہ وزیر بنایا۔ بایزید باپ کے مرنے کی خبر سنکر میدان جنگ کے ہیڈ کوارٹر شہر اماسیہ سے چار ہزار سوار ہمراہ لیکر یلغار کرتا ہوا دار الخلافہ پہنچگیا اور اورنگ قیصری پر متمکن ہو گیا۔

بایزید ثانی جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے غیر مستقل مزاج اور بودی طبیعت کا شاہزادہ تھا۔ یہ مغربی سلطنتوں کی خوش قسمتی تھی کہ محمد فاتح ایسے مستعد جفاکش مدبر اور بہادر آزماء کے بعد ایسا کمزور سلطان تخت نشین ہوا۔ اگر یہ اپنے باپ کا خلف رشید ہوتا تو خدا معلوم اسلامی فتوحات کا سیلاب کتنے مسیحی تختوں کو برباد کرنے کے بعد تھمتا۔ اٹلی والوں کو فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ اون کے جزیرہ نما کے برخلاف ترکوں کی جنگی کارروائیاں دھیمی پڑ گئی ہیں۔ احمد پاشا فاتح اوٹرانٹو سلطان مرحوم کا قابل ترین سپہ سالار تھا۔ اوس نے اوٹرانٹو پر قبضہ کرتے ہی اوسکو مورچہ بند کرنا شروع کر دیا کہ تمام ملک کے فتح کرنے کے لئے یہ مقام بیس آف آپیریشن (صدر مقام) کا کام دے۔ مورچہ بندی کو مکمل کر کے وہ آخری ہدایات حاصل کرنے اور آئندہ موسم بہار میں جرار فوج ہمراہ لیکر واپس آنے کی امید رکھکر قسطنطنیہ کو روانہ ہوا۔ لیکن سلطان محمد کی وفات نے کل منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ تمام عیسائی طاقتیں ترکوں کی اس تازہ فتح سے ہراساں ہو کر خواب غفلت سے بیدار ہو گئیں۔ ہنگری۔ ہسپانیہ اور پرتگال سے شاہ نیپلز (اس وقت جنوبی اٹلی کا دار الخلافہ تھا) کی امداد کے لئے مجاہدین آپہنچے۔ اور اوس نے ان مددگاروں کو ہمراہ لے کر اٹرانٹو کا محاصرہ کر لیا۔ جس سے تنگ آکر ترکی فوج محصور نے ۱۴۸۱ء میں بوعدۂ امان عیسائی فوج کے سامنے ہتھیار رکھ دیئے۔ مگر عیسائیوں نے وعدہ خلافی کر کے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ بایزید شائید داغ ہزیمت کو دھونے کی کوشش کرتا۔ لیکن خود بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہو جانے سے اسے ایک طرح معذوری

سمجھا جا سکتا ہے۔ سلطان محمد کا چھوٹا بیٹا جمشید جو ۸۵۱ھ ہجری میں پیدا ہوا تیز طبیعت نوجوان تھا۔ وہ کچھ برسوں سے قرمانیہ کی گورنری پر مامور تھا۔ اوسکی تیز طبعی نے بھائی کی تابعداری گوارا نکی۔ اور حجت یہ بتائی کہ تاج و تخت بایزید کو سپرد کر دینے کی وصیت سلطان مرحوم نے کوئی نہیں کی تھی جعلی بنالی گئی ہے۔ الغرض اوس نے اپنے بھائی کے برخلاف علم بغاوت برپا کر کے شہر بروصہ پر قبضہ کر لیا۔ اور باسفرس کیطرف بڑھنا شروع کیا۔ بایزید نے احمد پاشا کی امداد سے باغی بھائی کی فوج کو شکست فاش دی جو بحال خراب و خستہ قایدبیگ شاہ قوم چرکس والئے مصر کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ مصر کو جاتے وقت رستہ میں ترکمانوں کی ایک قوم نے بدنصیب شاہزادہ کو لوٹ کر اوسکا مال و متاع بامید انعام بایزید کے پاس لے گئے۔ بایزید نے ان نمکحراموں کو اس بے ادبی اور گستاخی کی سزا میں فوراً قتل کرا دیا۔ جمشید چار مہینے قایدبیگ کے پاس رہکر بیت اللہ شریف کو گیا۔ اور حج سے فارغ ہو کر پھر سامان جنگ تیار کیا بایزید نے اس خودسر نوجوان کو بہ نرمی و ملاطفت راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کی جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو لاچار دوبارہ فوجکشی کر کے جمشید کی جمعیت کو پراگندہ کیا۔ وہ اپنی والدہ اور بیوی کو والئے مصر کے پاس ہی چھوڑ آیا ہوا تھا۔ مگر کوئی مصلحت سوچکر اب کے مصر جانے کی بجائے جزیرہ رہوڈس کی طرف رخ کیا۔ وہاں کے نائیٹوں کے سردار ڈابسن نے جو ۱۴۸۰ء میں ترکی حملہ کو پسپا کر چکا تھا پہلے تو اوس کی بہت خاطر تواضع کی۔ مگر آخرکار بایزید کی ناراضگی کے خوف سے جمشید کو اٹلی اور پھر فرانس بھیجدیا جہاں کچھ برسوں کے بعد شاہ فرانس نے اوسکو اپنی تحویل میں لے کر نظربند کر دیا۔ اس اثناء میں ایماندار ڈابسن جمشید کے گزارہ کے لئے اوسکی غریب ماں اور بیوی سے بھی معقول سالانہ رقم لیتا رہا۔ اور دوسری طرف بایزید سے اس بہانہ پر کہ میں نے تمہارے بھائی کو قابو کیا ہوا ہے بیش بہا وظیفہ حاصل کرتا رہا۔ ڈابسن کے اس نامردانہ سلوک کو جو اُس نے ان بیکس عورتوں کے ساتھ کیا تمام منصف مزاج عیسائی بھی سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جمشید چند برس شاہ فرانس کا قیدی رہنے کے بعد شاہ مذکور کی وفات پر قلعہ سے کسی طرح بھاگ کر پوپ انّسینٹ کے پاس پہنچا۔ اُس نے پہلے تو جمشید کو عیسائی بنانے کیلئے اوسے بہت سے مسیحانہ سبز باغ دکھائے۔ لیکن جب اوسے ثابت قدم دیکھا تو اس خیال خام سے باز آ کر اس مہمان عزیز کی مدارات اُسکے مرتبہ کے مطابق کرتا رہا۔ اس پوپ کی وفات پر مشہور بدچلن دغاباز اور مکار اسکندر بورجیا جو اپنے سے بڑھکر بدکار اور چالباز صاحبزادی لکریشیا بورجیا کا باپ تھا۔ اسکندر ششم کے نام سے پوپ ہوا۔ بایزید کو اس ذات شریف کی خصلت تو معلوم ہی تھی زرِ خطیر بھیجکر درخواست کی کہ جمشید کا شر مجھ سے دور کر دے۔ یہ روپیہ اٹلی کے قصبہ انکونا کے حاکم جولیانوس نے رستہ میں لوٹ لیا۔ پوپ نے بایزید کو خبر کی اور لکھا یا تو جمشید کی نظربندی کے لئے چالیس ہزار ڈیوکٹ[1] سالانہ دو۔ اور اگر اوسے ہلاک کرانا چاہتے ہو تو تین لاکھ ڈیوکٹ بھیجدو۔ بایزید نے رقم مطلوبہ بھیجدی جسپر کم بخت پوپ نے جو نام عیسوی

---

[1] ڈیوکٹ ایک پرانا سکہ طلائی و نقرئی ہوا کرتا تھا۔ نقرئی مالیت میں ساڑھے چار شلنگ اور طلائی نو شلنگ ہوتا تھا +

دنیا کا مذہبی پیشوا تھا۔ غریب الوطن شہزادہ کو فروری ۱۴۹۵ء میں زہر ہلاہل پلا کر ہلاک کر دیا۔ شاہزادہ کے زمانہ قید کے افسانے اب تک اٹلی اور فرانس میں زبان زد خاص و عام ہیں۔

بایزید نے ۱۴۸۱ء سے ۱۵۱۲ء تک حکومت کی۔ اور اس عرصہ میں اُس نے بہت سے جنگ کئے۔ جن میں اکثر کا نتیجہ سلطان کے حق میں اچھا نہ نکلا۔ پھر بھی فی الجملہ ترکی اقتدار کو کچھ نہ کچھ ترقی ہی ہوئی۔ ترکوں نے وینس کی ریاست کو بری و بحری جنگ میں متواتر سخت شکستیں دیں۔ اور پندرہویں صدی کے خاتمہ پر اسکندر پاشا نے شمالی اٹلی پر فوج کشی کی۔ ٹرکی اور وینس کے درمیان یونان کے اکثر حصص اور جزائر ملحقہ کے قبضہ کے لئے لڑائیاں ہوتی تھیں۔ اور گو بایزید کو بعض مقامات پر شکست بھی ملی۔ وہ جنوب مشرقی یورپ کے اس قیمتی اور دلفریب حصہ میں اپنی حکومت کو وسیع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بایزید پہلا عثمانیہ سلطان ہے۔ جس کے زمانہ میں ۱۴۹۰ء میں پونڈ اور ٹرکی کے درمیان معاہدہ ہوا۔ اور اس کے عہد میں ۱۴۹۵ء میں باب عالی اور ایوان ثالث زار ماسکو کے درمیان پہلی دفعہ سفارتی تعلقات پیدا ہوئے۔ اور افسوس وہ سفیر سلطان کی طفلانہ مزاجی اور کمزوری کی وجہ سے ترکی رعب داب کا کچھ ایسا اچھا خیال اپنے ساتھ واپس نہ لے گیا۔ بایزید کے زمانہ میں ایران کی طاقت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ جس سے اوس کو ہر وقت تشویش رہتی تھی۔ شاہ اسمٰعیل بانی خاندان صفویہ نے اپنی حکمت و تدبّر اور جفاکشی سے ایران کی شان و شوکت تقریباً سابقہ جاہ و جلال کے ہم پلہ بنا دی تھی۔ اور اوس کو اپنی طاقت پر اس قدر بھروسہ ہو گیا تھا کہ بڑی دلیری سے کچھ سلطانی مقبوضات بھی دبا لئے۔ مگر بایزید دوسری مہموں میں اس قدر مصروف تھا کہ اس گستاخی کا بدلہ نہ لے سکا۔

بایزید کے عہد کا ایک اور واقعہ بھی خاص تذکرہ کے قابل ہے۔ جس سے ینگچری فوج اور سلاطین کے باہمی تعلق کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اس فوج نے سابقہ حکومتوں میں کئی دفعہ خودسری کی علامتیں ظاہر کر کے اون کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک زبردست فرمانروا کی موجودگی کی ضرورت ثابت کر دی تھی۔ اس ثبوت کو محولہ بالا واقعہ سے اور زیادہ تقویت مل گئی۔ محمد فاتح کی بے نظیر قابلیت اور مضبوط ہاتھ کے اٹھتے ہی ینگچری فوج کی وفاداری میں کمی پیدا ہونی شروع ہو گئی ۱۴۸۹ء میں بایزید نے اس فوج کی تعداد اور اختیارات کم کرنے کی تجویز کی۔ اور شراب کے نشہ میں جبکہ محفل عیش و نشاط گرم تھی اپنے ارادہ کو ظاہر کر دیا۔ احمد پاشا فوج میں ہر دلعزیز ہونے کے علاوہ آزاد رائے بھی پورا تھا۔ وہ اکثر سلطان کی غلطیوں اور طفلانہ حرکتوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا کرتا تھا۔ اُس نے

سلطان کا یہ ارادہ سنتے ہی اوس کی سخت مخالفت کی - اور اس کارروائی کے بدنتائج جتا دیئے - سلطان اس مخالفت سے دل میں بہت ناراض ہوا - اور اسی وقت سے اس نامور جنیل کی ہلاکت کا جس کی بہادری اور وفاداری نے بایزید کو کئی دفعہ بربادی وتباہی سے بچایا تھا - مصمم ارادہ کر لیا - چنانچہ سلطان نے چند دنوں کے بعد اعیان دولت کی پرتکلف دعوت کی - جس میں احمد پاشا بھی شامل تھے - اور بعد بادہ خواری کے بعد مہمانوں میں خفتان تقسیم کئے جانے کا حکم دیا - احمد پاشا کو سیاہ مخمل کا خفتان ملا - جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ موت کے لئے تیار ہو جائے - اس پر حسب قاعدہ باقی تمام مہمان احمد پاشا کو سلطان اور جلادوں کے پاس چھوڑ کر باہر چلے گئے - بہادر پاشا نے اس نازک موقعہ پر بھی اپنا حوصلہ قائم رکھ کر سلطان کو اوس کی بدکاریوں اور بالخصوص بے اندازہ مے خواری پر سخت نفرین کی - اوس کی تقریر ابھی ختم نہ ہوئی کہ جلاد اوس کو زمین پر پچھاڑ کر اوس کا کام تمام کرنے ہی لگے تھے کہ سلطان کے ایک خواجہ سرائے نے پاشا کو صبح تک قتل نہ کرنے کی صلاح دی - اور وجہ یہ بتائی کہ اوس وقت تک معلوم ہو جائے گا کہ ینگچری اس زعم میں کہ اون کا افسر قتل کر دیا گیا ہے کیا کارروائی کرتے ہیں - اس زعم کا وہی نتیجہ ہوا جس کی غالباً خواجہ سرا کو توقع تھی - ینگچریوں نے محلسرائے کا محاصرہ کر لیا - اور بایزید کو نہایت فحش مغلظات سنا کر قتل کر دینے کی دھمکی دی - اور یہ بغاوت اس خطرناک حد تک پہنچ گئی کہ ینگچریوں کو دکھانے کے لئے احمد پاشا کا قید خانہ سے باہر نکالنا ضروری ہو گیا - مگر سلطان نے دل میں برابر کینہ رکھا اور کچھ عرصہ بعد جبکہ فوج مذکور جنگی مہم پر ممالک غیر کو گئی ہوئی تھی احمد پاشا کو دغا سے قتل کرا دیا گیا -

بایزید کی سلطنت جس طرح کہ خانہ جنگی سے شروع ہوئی تھی اوسی طرح خانہ جنگی پر اوس کا خاتمہ ہوا - وہ اپنے بیٹے احمد کو جانشین کرنا چاہتا تھا - سب سے بڑے بیٹے کورکود نے اس حکم سے سرتابی کر کے بغاوت شروع کر دی - مگر اس کا انجام یہ ہوا کہ سلطنت دونوں میں سے کسی کو نہ ملی - اور سب سے چھوٹا بیٹا سلیم جس پر کل فوج دل وجان سے نثار تھی - مالک تاج وتخت ہو گیا - بایزید بقیۃ العمر صوبہ رومیلیا کے دلفزا مقام ڈیموٹیکا میں بسر کرنے کے لئے قسطنطنیہ چھوڑ کر مقام مذکور کو روانہ ہوا - مگر ۲۶ رمئی ۱۵۱۲ء کو بمرض نقرس ۶۷ سال کی عمر میں راستہ ہی میں فوت ہو گیا -

بایزید جنگ کے لئے ملک ارنوط (البانیا) کو جا رہا تھا کہ ایک فقیر نے برابر آ کر اوس کو خنجر سے ہلاک کرنا چاہا - مگر اردلیوں نے اوس کو فوراً گرفتار کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا - اوس دن سے دستور ہو گیا

کر سلاح بند شخص سلطان کے قریب نہ جاوے۔ ۱۵۰۹ء میں قسطنطنیہ میں سخت زلزلہ آیا جس سے ایک ہزار ستر مکانات ایک سو نو مسجدیں اور ایک حصہ محل قیصری کا گر گیا۔ یہ زلزلہ پینتالیس روز تک بار بار آتا رہا۔ سلطان نے بیوت و مساجد منہدمہ کی مرمت کے لئے پندرہ ہزار معمار اور مزدور کر دیئے۔ بایزید قوی ہیکل سیاہ گیسو لطیف و ظریف۔ نامور تیر انداز اور ناظم و ناثر بھی تھا۔ بعض مسلمان مورخین نے اوسے عابد و پرہیزگار بھی لکھا ہے۔ شاید وہ پیری میں ایسا ہو گیا ہو۔ جوانی میں جو کیفیت تھی وہ سپاہ ینگچری کی بغاوت کے واقعہ میں درج ہو چکی ہے۔ البتہ مذہبی پاس اس قدر ضرور تھا کہ ہر سال حرمین شریفین کو زر خطیر روانہ کیا کرتا تھا۔ اس کے زمانہ میں بری طاقت کے مقابلہ میں عثمانیہ بحری طاقت کو کمال رئیس ترکی امیر البحر کی طفیل اکثر فتوحات حاصل ہوئیں۔ یہ امیر البحر دراصل غلام تھا۔ اور کپتان پاشا (سپہ سالار افواج بحری) صنعان نے اوس کو سلطان بایزید کی خدمت میں بطور پیش کش نذر کیا تھا۔ بایزید نے اوس کے کمال حسین ہونے کی وجہ سے اوسکا نام ہی "کمال" رکھدیا۔ اور اوسے غلمانِ شاہی کی ذیل میں داخل کر دیا۔ کمال کا مشہور اول بحری کارنامہ ۱۴۸۳ء میں واقع ہوا۔ مسلمانانِ غرناطہ نے بایزید سے بحیثیت خاقان البرین والبحرین عیسائیوں کے برخلاف امداد دہی کی درخواست کی تھی۔ جس پر اوس نے سن مذکور میں کمال رئیس کو ایک بیڑہ کا کپتان مقرر کر کے سواحل ہسپانیہ کو برباد کرنے کے لئے قسطنطنیہ سے روانہ کیا۔ مگر افسوس سلطان بایزید نے مسلمانان اندلسیہ کی اس سے زیادہ کوئی امداد نہ کی۔ اور جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ ۱۴۹۲ء میں تمام اندلسیہ عیسائیوں کے قبضہ میں آگیا۔ اور مسلمانوں کا نام و نشان اوس سرزمین سے ہمیشہ کیلئے معدوم ہو گیا۔ کمال رئیس نے ۱۴۹۹ء میں وینس کے جنگی بیڑہ کو جزیرہ سپی انزا کے قریب معرکہ کی لڑائی کے بعد فاش شکست دی۔ اور زیادہ تر اوسی کے بیڑہ کی امداد سے ترکی فوج نے شہر لیپانٹو کو فتح کیا۔ ۱۵۰۰ء میں اس بہادر امیر البحر نے پوپ شاہ ہسپانیہ اور ریاست وینس کے متفقہ بیڑوں کو جو عثمانیہ بیڑہ سے طاقت میں بدرجہا زیادہ تھے ترکی بہ ترکی جواب دیکر اون کی کوئی پیش نہ جانے دی۔ ترکی بحری طاقت کا یہ اقتدار اوس جلال و سطوت کا جو اوسے سلطان سلیم اور سلطان سلیمان کے زمانوں میں حاصل ہوا پیش خیمہ تھا۔ عثمانیہ سلاطین قسطنطنیہ اور مملوک سلاطین مصر کے درمیان بھی پہلی لڑائی اسی سلطان کے عہد میں ۱۴۰۵ء میں شروع ہوئی۔ جو برابر پانچ برس جاری رہی۔ اور اس میں ترکوں کو متواتر ہزیمتیں اٹھانی پڑیں۔ آخرکار بایزید نے دو تین قلعے جو سرحد پر مملوکوں نے فتح کر لئے تھے۔ اونکے سپرد کر کے اون سے صلح کر لی۔ اور داغ ندامت مٹانے کے لئے بظاہر یہ مشہور کیا گیا کہ یہ قلعے شاہ مصر کو جو حرمین شریفین کا خط

تھا مصارف مقامات متبرکہ کے لئے سپرد کئے گئے ہیں

بایزید نے اپنے باغی اور سرکش بھائی شہزادہ جمشید کو ابتداً بصلح و آشتی راہ راست پر لانے کی کوششوں میں ناکام رہنے پر پوپ اسکندر بورجیا کو طمع دیکر جو ہلاک کرادیا تھا۔ اسپر اگرچہ وہ اکثر نیک دل مورخین کی نگاہ میں بہت کچھ ذلیل ہوگیا۔ تاہم وہ اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بادشاہی کا مسئلہ ہی ایسا کم بخت ہے کہ بایزید ایک حد تک معذور سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن رہوڈس کے نائیٹوں اور دیگر شاہان یورپ و پوپ کو تمام عیسائی وقائع نگار بھی متفق اللفظ ہوکر سخت مطعون کرتے ہیں ایک عیسائی مؤرخ (دیکھو صفحہ ۱۵۰ تاریخ ٹرکی مصنفہ لین پول) کے الفاظ یہ ہیں " اس تمام پُر درد و غم قصہ کا عجیب و غریب لب لباب یہ ہے کہ کل مسیحی دنیا میں ایک ایماندار فرمانروا بھی موجود نہ تھا جو اس بیکس قیدی پر رحم کھاتا۔ یا گرینڈ ماسٹر۔ پوپ اور چارلس ہشتم والئے فرانس کی کمینہ اور غیر شریفانہ سازشوں پر نفرین ظاہر کرتا۔ ان میں سے ہر ایک اس مال غنیما کو جو بے ایمانی اور مکاری سے حاصل کیا گیا تھا قابو کرنے کے لئے دوسرے کیساتھ بر سر جنگ تھا۔ بایزید اگر اپنے بھائی کی محفوظ نظربندی کا خواہاں تھا تو وہ معاف سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن کل مسیحی دنیا کے مذہبی مقتدا پوپ اور مذہبی نائیٹوں (خادمان مذہب) کے ایک طبقہ کے سردار کی طرف سے کیا عذر پیش کیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے کافر (یعنی بایزید) کے روپیہ کی خاطر غریب الوطن پناہ گزیں سے دغا کیا۔ جب ناظرین رہوڈس اور بلقان کے معرکوں میں نائیٹوں کی شجاعت و مردانگی کے کارنامے پڑھیں تو ساتھ ہی شاہزادہ جمشید کی اس دردناک کہانی کو بھی یاد کرلیں اور پھر اگر وہ چاہیں تو اوس شجاعت و مردانگی کی داد دیں۔ جو ایسی صریح بے ایمانیوں اور دغا و فریب پر مبنی ہو"

یہ متفق علیہ امر ہے کہ اسکندر بورجیا (مشہور فاحشہ۔ قاتل و سفاک اور بیحد سازشی عورت لکریشیا بورجیا کا باپ) نے شاہزادہ کو زہر سے ہلاک کردیا۔ طریقہ زہر خورانی میں البتہ اختلاف ہے۔ بعض کے مطابق پوپ نے جمشید کے خادم کی معرفت شربت میں سفید زہر دار سفوف جس سے وہ اکثر اپنے ماتحت کارڈینلوں (پوپ سے کمتر مذہبی عہدہ دار۔ یہ تعداد میں ساٹھ ستر کے قریب ہوتے ہیں۔ اور انہی میں سے منتخب ہوتا ہے) کو ہلاک کردیا کرتا تھا پلوا دیا۔ دوسری روایت ہے کہ شاہزادہ کے حجام مصطفٰے نے پوپ سے سازش کرکے جمشید کو حجامت کرتے وقت نہایت مہلک زہر میں بجھے ہوئے اُسترے سے زخم لگا دیا۔ اس نمک حرام کو آخر کار بایزید نے وزیر اعظم بنا دیا۔ جمشید زہر کے اثر سے بتدریج گھل گھل کر فوت ہوا

مرنے سے پہلے مصر سے اوسکی والدہ کا خط نیپلز پہنچگیا۔ مگر وہ اسقدر ناطاقت ہوچکا تھا کہ خود نہ پڑھ سکا۔ "بیچے سلمان اور عثمانی شاہزادہ کی طرح اوس کی آخری دُعا یہ تھی" بار الٰہا۔ اگر یہ سب مذہب کے اعداء مجھکو پیروان اسلام کے برخلاف اپنی مہلک تجاویز کی تائید کے لئے آلہ بنانا چاہتے ہیں تو مجھے آج کا دن بھی زندہ نہ رہنے دے۔ اور اسی وقت میری رُوح قبض کئے جانیکا حکم دے" شاہزادہ مرحوم تیرہ برس کی قید فرنگ کے بعد ۳۶ برس کی عمر میں اس جہان سے چلدیا۔ سُلطان بایزید نے باقاعدہ سفیر بھیجکر بھائی کی لاش عیسائیوں سے طلب کی اور اوسے شاہانہ شان وشوکت سے بروصہ میں دفن کیا۔

عیسائیوں کی رحمدلی اور ہمدردی بنی نوع انسان کی ایک اور نظیر اس موقعہ پر بیجا نہ ہوگی۔ بایزید کے زمانہ میں عیسائی ممالک پر کوئی ایسی بڑی یورشیں نہیں کی گئی تھیں۔ پھر بھی اٹالی پولنڈ۔ ہنگریا اور وینس کے ساتھ سرحدوں پر کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ برابر چلی جاتی رہی۔ اور قصبات لیپانٹو۔ موداں اور قروں (واقع موریا) ممالک محروسہ میں شامل ہوگئے۔ ایک معرکہ میں ہنگرین سپہ سالار دیمی تریس یاکسق نے جو سربی نژاد تھا۔ ترکی جرنیل غازی مصطفےٰ اور اوس کے بھائی کو قید کرلیا۔ اوس نے غازی کے تمام دانت تڑوا کر اوس کے بھائی کے جسم کو سیخ سے چھید کر زندہ کو نرم آنچ پر بھونوا ڈالا۔ اور مصطفےٰ کو سیخ کے پھیرتے رہنے پر مجبور کیا۔ چند برس بعد یہ سفاک شاہ ہنگریا کی طرف سے ایلچی ہوکر قسطنطنیہ آرہا تھا کہ مصطفےٰ نے اوسے رستہ میں پکڑ کر قتل کردیا۔ مگر اور کوئی عذاب اوسے نہ پہنچایا ۔

سُلطان سَلیم کی تخت نشینی

سُلطان سلیم بایزید کے عزل پر ۴۷ برس کی عمر میں تخت نشین ہُوا۔ بایزید کے آٹھ بیٹے تھے جن میں سے تین بڑے ہوئے باقی چھوٹی عمر میں مرگئے۔ اوس نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو مختلف صوبوں پر گورنر مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ سلیم صوبہ طرابزون کی گورنری پر مامور تھا جب کورکود اور احمد دونوں بھائیوں نے تخت کے لئے سازشیں کرنی شروع کیں۔ تو سلیم نے بھی جو شجاعت و مردانگی اور جنگی قابلیت کی وجہ سے فوج میں بہت ہر دلعزیز تھا۔ ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ گورنری کے زمانہ میں اوس نے بطور خود ہمسایہ ملک سرکیشیا پر کئی دفعہ چڑھائی کر کے کچھ علاقہ فتح کرلیا تھا۔ سُلطان نے جب اوس کو منع کیا تو اوس نے جواب دیا کہ مجھے یورپ میں کوئی صوبہ دیدو کہ میں اس طرف رہنے ہی نہ پاؤں۔ سُلطان نے یہ درخواست نامنظور کی تو اوس نے مکرر درخواست کی کہ مجھے آداب فرزندانہ بجالانے کے لئے ایڈریانوپل حاضر ہونے کی اجازت بخشی جائے۔ جب یہ بھی منظور نہ ہوئی تو وہ جم غفیر ہمراہ لے کر جسے بلحاظ تعداد و ترتیب فوج کہنا زیادہ موزوں ہوسکتا ہے۔ بحیرہ اسود کو عبور کر کے یورپ آپہنچا۔ اور ایڈریانوپل پر پیش قدمی شروع

کی۔ بایزید جو اس وقت بہت بیمار تھا کچھ فوج لے کر بیٹے کے مقابلہ کو باہر نکلا۔ لیکن جب وقت باپ بیٹا دونوں کی فوجیں مقابل ہوئیں تو یہ غیر طبعی مقابلہ دیکھکر بایزید کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چل پڑے۔ یہ کیفیت دیکھ کر رومیلیا کے بیلربے (امیر کبیر) نے باپ بیٹے میں بیچ بچاؤ کر کے صفائی کرادی۔ سلیم کو یورپین علاقہ میں سمندرا کی گورنری دی گئی۔ اور بایزید نے اقرار کیا کہ میں احمد کو اپنا وارث نہیں بناؤنگا۔ یورپ میں تو یہ واقعات درپیش آرہے تھے۔ اور ادھر ایشیائی علاقہ میں کورکود اور احمد کی چالبازیوں اور سب سے بڑھکر قزاقوں کی شورہ پشتی سے جو بایزید کی کمزور سلطنت میں بہت خودسر ہوگئے تھے عجب طوفان بے تمیزی برپا ہو رہا تھا۔ قزاقوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اون کی جمعیت ایک خاص باقاعدہ فوج کے برابر ہوگئی تھی۔ اور عقیدہ اثنا عشریہ کے بھی اکثر پیرو جن کا شمار اوس وقت ایشیائے کوچک میں بہت بڑھ گیا تھا اون کے ساتھ شامل تھے۔ یہ لوگ ایران کے شیعہ فرمانروا شاہ اسمٰعیل صفوی کا یہاں تک ادب و احترام کرتے تھے کہ قزاقوں اور مذہبی خبطیوں کی اس مخلوط فوج کے سردار نے اپنے لئے شاہ قلی (غلام شاہ) کا خطاب اختیار کیا۔ مگر عثمانی اوسے شیطان قلی پکارتے تھے۔ اس شخص نے سلطانی فوج کے کئی دستوں کو شکست دی۔ آخر الامر وزیر اعظم اوس کے مقابلہ پر روانہ کیا گیا۔ اگست ۱۵۱۱ء میں مقام سرپم شک تق کے قریب باغی اور سلطانی افواج میں سخت جانگداز لڑائی ہوئی۔ اور شیطان قلی اور وزیر اعظم دونوں کھیت رہے۔ سلیم نے ان فسادوں کی آڑ پکڑ کر فوج عظیم اپنے پاس جمع رکھی اور ظاہر یہ کیا کہ بوقت ضرورت کام آنے کے لئے اسے جمع رکھا گیا ہے۔ اور جب حصول مدعا کی تکمیل میں زیادہ انتظار نہ کرسکا تو ایڈریانوپل میں جبراً داخل ہو کر شاہی اختیارات نافذ کرنے شروع کر دیئے۔ بایزید یہ خبر سنکر ایڈریانوپل پر بڑھا اور باپ بیٹا ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ سلیم کی فوج کے اکثر سپاہی بوڑھے سلطان کو دیکھکر اپنی حرکت پر سخت نادم ہوئے اور سلیم کی طرف سے ہٹ گئے۔ جس کی باقیماندہ جمعیت سلطانی فوج کے ایک ہی حملہ میں منتشر ہوگئی۔ اور خود سلیم اپنے بادپا گھوڑے قرہ بلوط (سیاہ بادل) کی برق رفتاری اور اپنے دوست فرہاد بے کی جان نثاری کی طفیل جس نے ایک تنگ درہ میں تعاقب کنندگان کا مقابلہ کر کے سلیم کو اون کے پنجہ سے بچا دیا۔ میدان جنگ سے جان سلامت لے گیا۔ سلیم بحیرہ اسود کے بندرگاہ انچیولی کو جاکر وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر اپنے خسر خان کریمیا کے پاس چلا گیا۔ اور تاج و تخت عثمانیہ کے لئے پھر ایک دفعہ قسمت آزمائی کرنے کے لئے وہاں تاتاریوں اور ترکوں کی ایک نئی فوج جمع کرلی۔ بایزید منجھلے بیٹے احمد کو تخت نشین کرنا چاہتا تھا۔ مگر دار الخلافہ کی فوج نے اس ارادہ کی ایسی مخالفت کی کہ سلطان کو مجبوراً سلیم کو کریمیا سے واپس بلانا پڑا۔ سلیم کو یہ پیغام کریمیا میں موسم سرما میں پہنچا اوس نے فوراً تین ہزار سوار جمع کر کے

جن میں نصف کے قریب تاتاری تھے۔ بحیرۂ اسود کے شمال مغربی ساحل کے راستہ وطن مالوفہ کا راستہ پکڑا۔ اوس کے بہتیرے ہمراہی سردی کی شدت سے راستہ میں مر گئے۔ لیکن وہ یلغار کرتا ہوا برابر آگے بڑھا چلا آیا۔ دریا بنسٹر برف سے منجمد تھا۔ اوس پر مقام اکیرمان کے قریب عبور کیا اور بایزید کے اس حکم کی کوتمی پروانہ کر کے کہ سلیم سمندرا کی گورنری پر جائے سیدھا قسطنطنیہ کی طرف چلا آیا۔ قسطنطنیہ سے تیس میل درے بینی شہری فوج کا آغا اوسے راستہ میں آملا۔ اور وہ دارالخلافہ میں تقریباً شاہانہ جلوس کے ساتھ جس میں وزرائے واعیان سلطنت بھی شامل تھے داخل ہوا۔ بایزید نے بیشمار خزانہ اپنے عہد میں جمع کیا ہوا تھا اوس نے سلیم کو تین لاکھ ڈیوکٹ پیشکش اور دو لاکھ سالانہ کی رشوت پر ٹالنا چاہا۔ مگر سلیم سوائے تخت کے اور کسی امر پر رضامند نہ ہوتا تھا۔ بایزید ابھی تک محلسرائے سلطانی پر قابض تھا کہ ۲۵۔ اپریل کو تمام فوج و باشندگان شہر نے محلسرائے کے دروازوں پر جمع ہو کر سلطان کی خدمت میں باہر ملنے کا مطالبہ کیا۔ اور جب اون کی درخواست منظور ہوئی تو سب نے یکزبان ہو کر عرض کیا کہ "ہمارا بادشاہ ضعیف و بیمار ہو گیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب سلیم ہمارا سلطان ہو"۔ بایزید نے اس مطالبہ کو پورا کرنے کے سوائے کوئی چارہ نہ پا کر اسی وقت تاج و تخت سلیم کے حوالہ کر دیا۔ سلیم نے آگے بڑھکر بکمال ادب باپ کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اور فصیل شہر تک باپ کی سواری کے ہمراہ جس نے بقیۃ العمر قصبہ ڈیموٹیکا میں جہاں وہ پیدا ہوا تھا بسر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ پیدل گیا اور باپ کی پند و نصایح کو بغور سُنتا گیا۔

سلیم نے صرف آٹھ برس حکومت کی۔ مگر اس عرصہ میں اوس نے سلطنت عثمانیہ کو وسعت میں دُگنا بڑھا دیا اوس کی فتوحات کی شان و شوکت۔ علم و ادب۔ تدبیر سلطنت اور فن جنگ میں اوس کی بے عدیل قابلیتوں اور اوسکی شاہانہ مستعدی اور مستقل مزاجی کے یورپ اور ایشیا دونوں براعظموں کے مؤرخین معترف اور قایل ہیں۔ مگر اوس کی سفاکی اور بیرحمی میں بھی کسی کو شک نہیں۔ اوس کے قہر و غضب سے دوست و دشمن کسی کو مفر نہیں تھا۔ اور خود اوس کے زمانہ میں یہ عام بددعا تھی کہ خدا کرے تو سلطان سلیم کا وزیر ہو جائے۔ جو اس عہدہ پر مامور ہوتے تھے اون کو اکثر ایک مہینہ سے زیادہ وزارت کرنی نصیب نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ جس شخص کو وزیر مقرر ہونے کا حکم پہنچتا وہ سفر عاقبت کے لئے اوسی وقت سے تہیہ شروع کر کے سُلطان کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے آخری وصیت وغیرہ سے فارغ ہو کر جاتا۔ ایک دفعہ وزیر اعظم پیری پاشا نے سلیم سے کسی قدر از راہ متانت اور کسی قدر مزاحاً عرض کیا "میرے پادشاہ! میں جانتا ہوں کہ جلدی یا کچھ دیر بعد تجھے اپنے وفادار غلام کو قتل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی عذر ہاتھ آجائیگا۔ اس لئے مجھے اپنے دُنیاوی معاملات کے درست کرنے اور دوسری دنیا کے سفر کے لئے جو مجھے توکرا ایگا کچھ مہلت عطا کر"۔ سلیم اس

آزادانہ درخواست کو سن کر کھل کھلا کر ہنس پڑا - اور جواب دیا "میں تھوڑے عرصہ سے تیرے قتل کے فکر میں تو ہوں - مگر مجھے ابھی تک تیری جانشینی کے لئے کوئی قابل آدمی نہیں ملا - ورنہ میں تجھے بڑی خوشی سے ممنون کرتا"

جس شخص کو اپنے لواحقین - رعایا اور قابل ترین ملازموں کے خون کی ذرہ بھر پروا نہ ہو - اوس کے لئے جنگ و جدال کا شائق ہونا ضروری امر تھا - اور اوس کا عہد حکومت تقریباً کبھی ختم نہ ہونیوالے کشت و خون کا زمانہ تھا - وہ جیسا جسمانی طاقت میں شہ زور تھا ویسا ہی دماغی طاقت میں بھی تنومند و توانا تھا - عیاشی اور حیوانی لذات کا اوس کو مطلقاً خیال نہ تھا - البتہ شکار کی مردانہ تفریح کا دلدادہ تھا - اوس کی عمر کے دن شکار یا جنگی امور کے انصرام میں صرف ہوتے - سوتا بہت تھوڑا تھا - اور رات کا بڑا حصہ علمی مطالعہ میں گذارتا تھا - کتب تواریخ یا فارسی نظم اکثر اوس کے مطالعہ میں رہتیں - فارسی زبان اوسے بہت پیاری تھی - اور اس میں خود اپنا ایک دیوان چھوڑ گیا ہے - وہ نہ صرف عثمانیہ سلاطین میں سب سے بہتر شاعر گذرا ہے بلکہ اوس کی نظم کو دوسرے تمام شاعران پر ترجیح دی جاتی ہے - البتہ اس قدر افسوس ہے کہ اوس نے اپنی جودت طبع کا اظہار فارسی زبان میں کیا اور اوس کی مادری زبان ترکی اور اوس کے علم و ادب کو اوس کی طبیعت کی بے نظیر موزونی اور اعلےٰ علمی قابلیت سے کوئی فایدہ نہ پہنچا -

خاندان عثمانیہ کو یورپ کے کل دیگر شاہی خاندانوں پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ آج تک کسی اور خاندان میں مسلسل اتنی مدت حکومت نہیں رہی - اس فوقیت کے علاوہ یہ فخر بھی اسی خاندان کو حاصل ہے کہ جس قدر جید شاعر اس خاندان کے سلاطین میں سے گذرے ہیں - اور کسی فرمانروا سلسلہ میں نہیں ہوئے - امیر المؤمنین عبد الحمید خان ثانی سے پہلے ۳۴ سلطان تخت عثمانی پر جلوہ افروز ہو چکے ہیں - ان میں سے اکیس اپنی جولانی طبع کے نمونے دنیا میں چھوڑ گئے ہیں -

سلیم یاوز کو اپنے دادا محمد فاتح کی طرح قیصر اور سکندر اعظم کے کارنامے پڑھنے کا کمال شوق تھا - مگر ان فاتحان زمانہ سلف کے سچے حالات اوس زمانہ میں کسی کو معلوم نہ تھے اور سلطان کو ان کی سوانح معلوم کرنے کے لئے پر از غلو و مبالغہ ایشیائی قصوں اور افسانوں پر قناعت کرنی پڑتی تھی - سلیم علم دوست ہونے کے ساتھ ہی علم پرور بھی تھا - اور اصحاب علم و فضل کو خاص عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا - جن میں سے اکثر کو اوس نے عہدہ ہائے جلیلہ پر سرفراز کیا - مورخ ادریس کو اوس نے مفتوحہ علاقہ کردستان کے جدید نظم و نسق کا کام سپرد کیا - اور مشہور فقیہہ کمال پاشا شاہزادہ احمد کو جسے بالعموم ابن کمال پکارا جاتا ہے "تاریخ نگار" کی حیثیت میں مصر پر چڑھائی کرتے وقت اپنے ساتھ لے گیا - ابن کمال نظم و نثر دونوں میں ید طولیٰ رکھتا تھا

نظم میں مثنوی یوسف زلیخا اور نثر میں نگارستان جو سعدیؒ کی گلستان کی طرز پر لکھی گئی اوس کی یادگار رہینگی۔ سلیم قد و قامت میں لمبا تھا۔ لیکن اعضا چھوٹے تھے۔ پہلے سلاطین کے برعکس وہ ڈاڑھی ہر وقت منڈی رکھتا تھا۔ موچھیں بڑی بڑی تھیں۔ جو سیاہ اور گھنی ابرؤں کے ساتھ ملکر اوس کے چہرہ کو ایسا مہیب بنائے ہوئے تھیں کہ دیکھنے والا خوف کھاجاتا تھا۔ آنکھیں بڑی اور سُرخ تھیں۔ اور ریاست وینس کے سفیر فوسکولو کا قول ہے کہ سلیم کے چہرہ کی سُرخی مزاج کی خونخواری کو برروئے ظاہر کرتی تھی۔ سلیم کی تنک مزاجی اور غرور و تکبر کو اوس کی جہانبانی کے پہلے ہی دن سخت آزمایش سے مقابلہ کرنا پڑا۔ ینگچری نے نئے سلطان سے بجبر انعام و اکرام حاصل کرنے کا ارادہ کرکے اوس بازار میں جس میں سے اوس کے گذرنے کی توقع تھی دو رویہ دوہری قطاریں صف بستہ کھڑے ہوگئے۔ اور صلاح کی کہ جب سُلطان گذرے تو اسلحہ کی جھنکار بلند کی جائے۔ جس کا یہ مطلب ہو تاکہ اہنی کے ذریعہ تم کو تخت ملا ہے۔ اور اہنی کے ذریعہ تم اوس سے اتارے جاسکتے ہو۔ سلیم کو اس اژدحام کی خبر ملی تو اپنی فرمانروائی کے پہلے ہی دن علی رؤس الاشہاد اس طرح اپنے سپاہیوں کے ظل حمایت میں گذرنے کے منظر سے سخت برافروختہ ہوا۔ اور اس ذلت سے بچنے کے لئے دوسرے راستہ گذر گیا۔ لیکن انعام سے انکار کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ بلکہ اوس کو اس قدر انعام دینا پڑا کہ پہلے کسی سُلطان نے تخت نشینی کے موقعہ پر نہ دیا تھا۔ جس سے خزانہ تقریبًا خالی ہوگیا۔ سُلطان کی اس رعایت سے دلیر ہوکر ایک چھوٹے ضلع کے گورنر نے جو سنجق بے کا عہدہ رکھتا تھا سلیم کے نزدیک جاکر جاگیر بڑھائے جانے کی درخواست کی۔ سلیم نے اُسی جگہ تلوار کھینچکر اوس کا سر قلم کردینے سے بیباک سائل کی درخواست کا جواب دیا۔

سلیم نے چونکہ خود باپ کے برخلاف بغاوت کرکے تاج و تخت حاصل کیا تھا اوس کے دل میں اپنے بھائیوں کے حسد و رشک سے جو سلطنت کے بعض نہایت زرخیز صوبوں پر حکمران تھے اور جو شاہی ورثہ سے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر غالبًا بمشکل دست بردار ہوتے خوف پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ بایزید کے آٹھ بیٹوں میں سے پانچ یعنی عبد اللہ۔ محمد۔ شاہین شاہ۔ عالم شاہ اور محمود باپ کے حین حیات فوت ہوچکے تھے۔ شاہین شاہ نے ایک لڑکا بنام محمد اور عالم شاہ نے بنام عثمان پیچھے چھوڑا۔ محمود کے تین فرزند موسیٰ۔ ارخان اور امین باپ کے بعد باقی رہے۔ سلیم کے دو زندہ بھائیوں میں سے کورکود لاولد تھا۔ اور شہزادہ احمد کے چار بیٹے تھے۔ سلیم کا فقط ایک ہی بیٹا شہزادہ سلیمان تھا۔ اس طرح سلیم کی تخت نشینی کے موقعہ پر بایزید کی نسل سے بارہ شہزادے زندہ تھے۔

شروع میں تو سلیم کے بھائی اوسکو سُلطان قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے اور جب اوس نے اون کو اونکی

صوبوں کی حکومت پر جنہیں وہ باپ کے زمانہ سے حکمران تھے بحال رکھا تو اونہوں نے پیش کردہ گورنریوں کو منظور کر لیا۔ مگر احمد نے جو اناطولیا کا گورنر تھا۔ تھوڑی مدت بعد ایشیائی دارالخلافہ بروصہ پر قابض ہو جانے اور باشندوں سے بھاری ٹیکس وصول کرنے شروع کر دینے سے ظاہر کر دیا کہ وہ تخت شاہی کو ہوس خام سے باز نہیں آیا۔ سلیم شہزادہ سلیمان ولیعہد کو قسطنطنیہ میں چھوڑ کر خود ستر ہزار سپاہ جرار لے کر فوراً ایشیائی کوچک کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور ایک سو پچیس جنگی جہاز باسفرس کے راستہ ساحل کی نگرانی کے لئے بحیرہ اسود کو بھیجدیئے۔ احمد سلیم کے حملہ سے ڈر کر بھاگ گیا اور اپنے دو فرزندوں کو شاہ اسمٰعیل صفوی والئے ایران کے پاس مدد مانگنے کے لئے روانہ کیا۔ سلیم نے بروصہ پر قابض ہو کر فوج کے حصہ کثیر کو موسم سرما بسر کرنے کے لئے بارکوں میں بھیجدیا۔ اس اثناء میں احمد نے سلیم کے کئی افسروں سے ساز باز کر لی۔ اور اپنی جمعیت مضبوط کر کے لڑائی دوبارہ شروع کر دی۔ جس میں اوس کو چند خفیف فتوحات بھی حاصل ہوئیں۔ سلیم نے اپنے وزیر اعظم کو جو زمرۂ نمکحراماں میں سے تھا فوراً قتل کرا دیا۔ اور ساتھ ہی اپنے پانچ نوعمر بھتیجوں کو جو بروصہ کے چند شاہی مکانوں میں بعزت و احترام نظربند تھے مروا ڈالا۔ مقتول شہزادوں میں سب سے بڑا عثمان پسر عالم شاہ بیس برس کی عمر کا تھا۔ اور سب سے چھوٹا محمد پسر شاہین شاہ عمر میں سات برس کا تھا۔ جب جلاد جو گونگے ہوا کرتے تھے سلیم کے حکم سے ان معصوم شہزادوں کے کمرہ میں داخل ہوئے تو اس خوردسال شہزادہ نے جان بخشی کے لئے سخت الحاح و منت کی۔ مگر رحم کسے آتا۔ بڑا شہزادہ یہ جانتا تھا اوس نے قاتلوں پر دلیرانہ حملہ کیا۔ اور اون میں سے ایک کو قتل اور دوسرے کو مجروح کر کے خود بھی آغوش اجل میں لیٹ گیا۔ متوفی شہزادگان کے جنازے شاہانہ تزک و احتشام سے اٹھائے گئے اور وہ مراد ثانی کے مقبرہ کے قریب مادر گیتی کے حوالہ کئے گئے۔

اس واقعہ کی خبر پہنچنے پر شہزادہ کورکود کو بھی جو اب تک صوبہ سروخن کی حکومت پر قناعت زندگی بسر کر رہا تھا اپنا فکر پڑ گیا۔ اُس نے ینگچریوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ اور سلیم کے ساتھ جان توڑ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ سلیم کو اپنے بھائی کے ارادوں سے اطلاع ہو گئی۔ مگر اپنا مدعا یا یہ ظاہر کئے بغیر کہ اوسکو بھائی کے منشاء سے آگاہی ہو گئی ہے۔ سلیم بڑے پیمانہ پر شکار کھیلنے کے بہانہ سے بروصہ سے روانہ ہوا۔ اور پھر اچانک دس ہزار سوار لے کر کورکود کے صوبہ پر جا پڑا۔ کورکود صرف ایک خادم مسمی پیالی کو ہمراہ لے کر بھاگ گیا۔ اوس کا تعاقب ہوا۔ اور پکڑا گیا۔ سلیم نے اپنے ایک افسر سنان پاشا کے ہاتھ بھائی کو کہلا بھیجا کہ تم کو اس جہان سے رحلت کرنی پڑے گی۔ جس مقام میں شہزادہ نظربند تھا سنان وہاں رات کے وقت پہنچا۔ اوس نے کورکود کو خواب سے بیدار کر کے موت کے لئے تیار ہونے کو

کہا۔ شہزادہ نے ایک گھنٹہ کی مہلت لے کر بھائی کو ایک منظوم خط لکھا جس میں اوس کی ظلم شعاری پر اوسے بہت ملامت کی۔ خط سے فارغ ہو کر اوس نے گردن جلاد کے سامنے رکھ دی۔ جس نے روہ کمان سے گلا دبا کر طایر روح کو قفس عنصری سے رہا کر دیا۔ سلیم اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھکر بہت رویا۔ بعض عیسائی مورخین لکھتے ہیں کہ اوس کو مرحوم شہزادہ کی قابل رحم موت پر رقت طاری نہیں ہوئی تھی بلکہ اوس کے اشعار کی خوبی اور مضمون خط کی بلند خیالی نے اوس کے دل پر اثر کیا تھا۔ بہرحال اوس نے اپنے مصنوعی یا واقعی رنج کو یہانتک نبھایا کہ تین دن تک عام سوگ کا حکم دیا۔ اور جن ترکمانوں نے تعاقب کنندگان کو کورکود کے چھپنے کی جگہ بتائی تھی۔ اور اس خدمت کے صلہ میں انعام مانگنے بروصہ آئے تھے قتل کرا دیا۔

درینولا شہزادہ احمد معقول فوج جمع کر کے سلیم کی افواج پر مزید فتوحات حاصل کر چکا تھا۔ جن کے بعد اگر وہ بدستور مستعدی ظاہر کرتا تو غالباً تخت عثمانیہ کا مالک ہو جاتا۔ مگر شہزادہ مذکور گو بہادر پورا تھا۔ لیکن ہمت و استقلال میں سلیم سے بدرجہا گرا ہوا تھا۔ سلیم نے اپنی فوج کو کمک پہنچا دی اور ۲۴ اپریل ۱۵۱۳ء کو فیصلہ کن لڑائی ہوئی جس میں احمد کو فاش ہزیمت ہوئی اور وہ گرفتار ہو گیا۔ اس کا انجام بھی کورکود جیسا ہوا۔ اور سنان نے ہی اس کو بھی جسم خاکی کی قید سے آزاد کیا۔ مرنے سے پہلے احمد نے سلطان کو دیکھنے کی درخواست کی۔ جسے سلیم نے بایں جواب نامنظور کیا کہ میں اپنے بھائی کو وہ ملک عطا کرتا ہوں جو ایک عثمانی شہزادہ کے حسب حال ہو سکتا ہے۔ احمد ان الفاظ کا مطلب سمجھ گیا۔ اور جب سنان کمرہ میں داخل ہوا تو بلا عذر اپنا سر اوس کے آگے جھکا دیا۔ تار کمند سے پھانسی پانے سے پہلے اوس نے اپنی اونگلی سے ایک انگشتری اتار کر سنان کے حوالہ کی کہ اوسے الوداعی تحفہ کے طور پر سلطان کی خدمت میں پیش کر دی۔ اور عرض کر دی کہ متوفی ایسا حقیر ہدیہ پیشکش کرنے سے معافی کا خواستگار تھا۔ اس انگشتری کی قیمت صوبہ رومیلیا کی ایک سال کی آمدنی کے برابر بتائی گئی ہے۔ احمد پانچ مقتول شہزادوں کے پاس بروصہ میں دفن کیا گیا۔

سلیم نے اندرونی خرخشوں سے بےخوف ہو کر اب ملک گیری کی طرف توجہ کی۔ مگر مسلمانوں کی بدقسمتی اور عیسائیوں کی خوش قسمتی سے قدرت نے اس وقت کچھ ایسے سامان بہم پہنچا دیے کہ اس اولوالعزم بادشاہ کی تمام ہمت و کوشش عیسائی طاقتوں کو زیر کرنے پر صرف ہونے کی بجائے اپنی ہمسایہ دو عظیم الشان اسلامی حکومتوں کو پامال اور فتح کرنے پر خرچ ہو گئی۔ اسے منشاء ایزدی کہنے کے سوا کیا چارہ ہے۔ کہ محمد فاتح کے بعد بایزید جیسا کاہل سلطان برابر اکتیس برس تخت عثمانیہ پر متمکن رہ کر

ایک عیسائی طاقت کو بلاد ہسپانیہ سے بالکل وجود مسلمانوں کو خارج کر دو دیگر مسیحی سلطنتوں کو اپنی طاقت سنبھالنے کا موقعہ دیدے اور اوس کے بعد سریر جہانبانی پر رونق افروز تو ہو سلیم ایسا عالی ہمت فرمانروا جو اکیلا ان طاقتوں کے شیرازہ کو پراگندہ کرنے اور ہسپانیہ کے مسلمانوں کا عوض لینے کے لئے کافی مضبوط ہو۔ مگر خوبی قسمت سے اوس کے عہد حکومت میں عیسائیوں کو اُلٹا اپنی سنبھلی ہوئی طاقتوں کو ایسا مضبوط کرنے کی مہلت ملجائے کہ آخر سلطان سلیمان عظیم الشان کی ۴۴ سالہ متواتر کوششیں بھی اس غلطی کی تلافی نہ کر سکیں۔ اللہ اکبر۔ اگر وہ دونوں سلطنتیں سلطنت عثمانیہ کے ساتھ متفق ہو کر دول یورپ کے مقابلہ پر کمر بستہ ہو جاتیں تو کیا سُلطان سلیمان کو کبھی وائینا کے محاصرہ سے بادل افسردہ ہاتھ اُٹھانے اور اوس کو آئندہ بھی کبھی فتح کرنے سے مایوس ہونے کی ضرورت پڑتی؟ اور کیا فاتح اندلس موسیٰ کا وہ ارادہ عملی طور پر پورا نہ ہو جاتا جو اوس نے ۷۱۱ء میں اندلسیہ کو دامن کوہ پرینیز تک فتح کر کے کل فرانس کو مغلوب کرنے اور پھر وہاں سے جرمن ہنگری اور مشرقی یورپ کو تابع فرمان کر کے قسطنطنیہ پہنچنے کا اپنے دل میں بالاستقلال ٹھان رکھا تھا مگر مُسلمانوں کی کمبختی سے جس ارادہ کو خلفائے امیہ کے احسان فراموش دربار دمشق نے نامور جرنیل اور فاتح سپہ سالار کو بذلت تمام واپس بُلا کر اپنی سازشوں کی قربانی بنا دینے سے پورا نہ ہونے دیا تھا۔ اور کیا اوس شکست فاش کا داغ بدنامی جو عرب لشکر کو فتح ہسپانیہ کے بیس برس بعد موسیٰ کے ارادہ کی تکمیل میں فرانس پر ۷۳۲ء میں حملہ آور ہونے پر بمقام ٹورس ملی تھی ہمیشہ کیلئے بہادران اسلام کی پیشانی سے نہ دھویا جاتا؟ اور کیا آج ہمارے پیارے خلیفہ سلطان عبدالحمید خان ثانی الغازی کو مسیحی طاقتوں کے ہاتھوں یہ ظلم و ستم برداشت کرنے پڑتے؟ ہرگز نہیں۔ ان تینوں اسلامی طاقتوں کا اتفاق بیشک یہ سب کچھ کر دکھاتا۔ لیکن اگر اتفاق نہ بھی ہوتا مگر ساتھ ہی نااتفاقی اور مخاصمت بھی نہ ہوتی تو اکیلا سُلطان سلیم ہی موسیٰ کے ارادہ کی پوری تکمیل نہ سہی آدھی تو بالضرور کر دیتا۔ لیکن اس موقعہ پر یہ کہکر دل کو تسلی دینی پڑتی ہے کہ کل اَمْرٍ مَّرْہُوْنٌ بِاَوْقَاتِہَا۔ مقدر کا نوشتہ شائد یہی ہو کہ اس نااتفاقی کا نتیجہ بد ساڑھے تین سو برس بعد سُلطان عبدالعزیز مرحوم پر کسی قدر آشکارا ہو کر ٹھیک پونے چار صدیوں کے بعد مولانا السُلطان عبدالحمید خان[۱] غازی

---

[۱] اعلٰے حضرت امیرالمومنین سلطان عبدالحمید خان ثانی الغازی کی خدمت میں ۱۸۹۷ء کی سہ ہفتہ جنگ ٹرکی و یونان میں کامل فتح نصیب ہونے پر جب ہند۔ مصر۔ مراکو۔ افغانستان اور ایران و دیگر اسلامی ممالک کے مسلمانوں نے مبارکباد کے پیغام ارسال کئے تو حضور ممدوح نے ایک طویل مراسلہ میں انکے اخلاص و اظہار عقیدت مندی کا دلی شکریہ ادا کر کے مسلمانوں کو خلافت عظمیٰ کے واجبات سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی اندلس کے مسلمانوں کے نمونہ کے حشر کو یاد دلا کر اس کی تلافی کرنے کی نصیحت کی۔ ۱۲۔ مؤلف ؎

پر کامل طور پر واضح ہوا اور وہ کل مسلمانان عالم اور موجودہ اسلامی فرمانرواؤں کو مسلمانوں کی غفلت سے ہسپانیہ سے اسلامی حکومت کے معدوم ہونے کا دردناک واقعہ یاد دلا کر آئندہ کے لئے نااتفاقی سے بچنے کی نصیحت اور اون سے آپس میں متفق اور متحد ہونے کی پُرزور درخواست کریں سُلطان سلیم کے معرکوں پر افسوس اور دلی رنج ظاہر کرنے کے ساتھ ہی یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ اُنسے عثمانیہ سلاطین کو چند وسیع و زر خیز ممالک مِل جانے اور سلطنت عثمانیہ کی طاقت مجتمع ہو جانے کا فائدہ حاصل ہونے کے علاوہ ایک ایسی نعمت عظمےٰ اون کو حاصل ہوگئی جو کئی عیسائی ممالک کے فتح کر لینے سے زیادہ قیمتی تھی۔ اور جس کا عثمانیوں کو مِل جانا مُسلمانوں کے لئے بھی کچھ کم مُفید نہیں ہوا۔ یعنی فتح مصر سے سلطان سلیم محافظ حرمین شریفین اور خلیفہ رسول رب العالمین ہو گئے۔ جس سے اون کو اور اون کے جانشینوں میں سے جو کوئی چاہے اور جو قابلیت بھی رکھتا ہو اس کو ہر زمانہ اور ہر وقت میں مُسلمانان عالم کو متفق کرنے کا منصب حاصل ہو گیا اور یہ اسی منصب کی طفیل ہے جو فتح مصر سے سُلطان سلیم کو حاصل ہوا۔ کہ آج کُل دنیا کے مسلمان اون کے فرزند عبد الحمید کے حکم کی تعمیل کو دل و جان سے حاضر ہیں۔ اور مُسلمانوں کے لئے یہ فتح اس لئے مفید ہوئی کہ اون کی مذہبی خلافت ایک کمزور و ناتوان خاندان کے تصرف سے نکل کر جو حاکم ہونے کی بجائے جیسا کہ لازمۂ خلافت ہے خود غلاموں کا غلام بنا ہوا تھا۔ ایک فاتح جری۔ شیدائی اسلام۔ اور فدائے دین و مذہب خاندان میں منتقل ہو گئی۔ جو خلافت کے فرائض و لوازمات کو بجا لانے کے قابل اور احکام خلافت کی تعمیل کرانے پر قادر تھا اور ہے اور بفضل خدا ہمیشہ رہے گا +

سلیم عیسائی طاقتوں پر حملہ آور ہونے سے اس لئے محترز نہیں ہوا تھا کہ اُس میں اپنے آباؤ اجداد ایسا جوش اسلام کی خدمت کا نہیں تھا۔ برخلاف اسکے وہ ایسا پُرجوش مُسلمان تھا کہ یہی پُرجوشی اوس کو عیسائی ممالک پر فوجکشی کرنے کی مانع ہوئی۔ وہ کل سلاطین عثمانیہ میں سب سے بڑھ کر متعصب ہوا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر انسان میں تعصب اور دینی جوش زیادہ ہو تو اوسے غیر مذہب والوں کی نسبت خود اپنی ہی مذہب کے اون فرقوں سے جن کو وہ مرتد سمجھتا ہو بہت زیادہ نفرت ہو جاتی ہے۔ شیعہ اور سنیوں کا جھگڑا اسلام کو پہلے کچھ کم ضعف نہ پہنچا چکا تھا۔ جنگ جمل۔ صفین و معرکہ کربلا کا اس کو باعث نہ بناؤ۔ لیکن یہ تو مسلمہ امر ہے کہ بغداد کی خلافت عباسیہ کا چراغ سحری اسی نامراد تنازعہ کی بادِ صرصر سے گل ہوا۔ اور اسی اختلاف مذہبی نے کئی دنوں تک دجلہ میں پانی کی جگہ خون کا سیلاب بہایا پانسو برس کا خاندان ایک آن میں برباد اور اوس کے چینتیوش خلیفہ کو وحشیوں کے ہاتھ سے بکرے کی طرح ذبح کرا ڈالا یہی اختلاف اور گئی اسباب کو یہ ساتھ ملا کر اب بھی دو اسلامی سلطنتوں کو ایک دوسری کا کئی صدیوں تک جانی دشمن بنانے کا موجب ہوا۔ ترک

اسلام قبول کرنیکے زمانہ سے خالص سنت والجماعت میں تھا اسی طرح ایران عرصہ مدید سے مذہب اثنا عشریہ کا مخزن اور مامن چلا آیا ہے - یہ ملک حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں آتش پرست خاندان ساسانیہ کے تصرف سے مقبوضات اسلامیہ میں داخل تھا - آخری ایرانی بادشاہ یزدجرد کچھ عرصہ جنگلوں میں بھٹکتے پھرنے کے بعد آخر قتل ہوا - اور ایران اور ملحقہ ممالک ترکستان میں قبائل عرب نے منتشر ہوکر چند برسوں میں کل بلاد کو نور اسلام سے تاباں کردیا چنانچہ ابتک بنی شیبان وغیرہ ایسے عرب قبائل ایران میں موجود ہیں جنکی اوضاع واطوار میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا - اور اس وقت تک خالص عربی خون اون کی رگوں میں موجزن ہے - دو سو برس تک اس ملک پر خلافت بنو امیہ اور بنو عباسیہ کی طرف سے عامل مقرر ہوتے رہے - ہارون رشید کے بعد جب اوس کے دونوں بیٹوں امین پسر زبیدہ خاتون (جس کو ہاروں نے نصف ملک عطا کرکے خراسان وایران وغیرہ کا بادشاہ بنادیا تھا) اور مامون رشید میں جو کنیزک کے بطن سے تھا - اور بغداد و ممالک غربی پر حکمران تھا لڑائی ہوئی - تو مامون کا سپہ سالار ذوالیمینین امین کو شکست فاش دینے کے بعد قتل کرکے ایران کا فرمانروا ہوگیا اور تین نسل تک برائے نام خلیفہ کے ماتحت رہکر اوس کا خاندان اس سرزمین پر حکمران رہا جب خلافت عباسیہ کمال انحطاط کو پہنچگئی - تو ہر ایک صوبہ بہادروں کی قسمت آزمائی کا تختہ مشق بن گیا سیستان کے ایک گمنام برتن ساز لیث کے فرزند یعقوب نے اپنے نیروئے بازو اور ہمت خداداد سے بتدریج ترقی کرکے خراسان کی حکومت طاہر کے خاندان سے چھین لی - اور صفاویہ کا خاندان قائم کیا جس کے چوتھے اور آخری بادشاہ خلف بن احمد بن یعقوب کو جو سبکتگین اور محمود غزنوی کا ہمعصر تھا سُلطان محمُود نے گرفتار کرکے غزنی بھیجدیا - اس کے بعد ایران وخراسان کے نصف حصہ پر خاندان سامانیہ کے سلاطین حکمران رہے اور نصف پر خاندان دیالمہ کے فرمانروا - اِن کے بعد چنگیز خاں کی یورش اور ہلاکو خاں کے ہاتھ سے بغداد کے فتح ہونیکے زمانہ تک سلجوقیہ اور اتابک خاندان ان ممالک پر حکمران رہے - چنگیز خاں کے پوتہ ہلاکو خاں نے جب تیرھویں صدی عیسوی میں خلافت عباسیہ کی کل جاہ وحشمت کو سوائے نامؑ کے بالکل برباد کردیا تو ایران اور ممالک ملحقہ کے تمام خودمختار خاندانوں کو معدوم کرکے اپنی حکومت قایم کردی جو ڈیڑھ برس تک اوس کی اولاد کے تصرف میں جن کو ایلخان پکارا جاتا تھا رہی - اِس کے بعد اون کی حکومت مختلف تاتاری اور ترکمان سرداروں کے تنازعہ وفسادات کی آماجگاہ بن گئی - ان سرداروں میں تاتاری قبیلہ جلیار اور ترکمانی

سلف نام کا استثناء اس لئے کیا گیا ہے کہ بغداد کے تباہ ہونیکے بعد خاندان عباسیہ میں سے ایک شخص نے مصر میں پناہ حاصل کی اور وہاں سلسلہ خلافت کا قایم کیا جو صرف برائے نام تھا - اور اوس کے ساتھ کوئی دنیاوی حکومت وابستہ نہ تھی - یہ خلافت ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم کو ملی - اور اس طرح سے خاندان عثمانیہ میں منتقل ہوگئی -

قبائل آق قونیلو (مالکان گوسفند سفید) اور قرہ قونیلو (مالکان گوسفند سیاہ) کے سردار سب سے ممتاز تھے۔

پندرھویں صدی کے شروع میں تیمور کی فتوحات نے ان تمام خانہ جنگیوں کا خاتمہ کر کے ان ممالک پر اپنے خاندان کی حکومت قائم کر دی۔ مگر اس نامور تاتاری فاتح کی اولاد کسی عرصہ دراز تک انتظام قائم نہ رکھ سکی اور ترکمان و تاتاری قبائل کی پھر وہی خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں۔ جن کا قطعی استیصال مشائخ صوفیہ کے ایک مشہور خاندان کے ہونہار نوجوان یعنی شاہ اسمٰعیل نے ہمیشہ کے لئے کر کے خاندان صفویہ کی بنیاد قائم کی۔

محمد کمال بن اسمٰعیل مؤلف کتاب زبدۃ التواریخ جو شاہ عباس صفوی کے زمانہ میں ممتاز منصب دار تھا شاہ اسمٰعیل کا شجرہ نسب اپنی کتاب میں اسطرح لکھتا ہے۔ شاہ اسمٰعیل بن سلطان حیدر بن سلطان جنید بن شیخ ابراہیم بن خواجہ علی بن صدر الدین بن شیخ صفی الدین اسحٰق بن جبرئیل بن شیخ صالح بن شیخ قطب الدین بن شیخ صلاح الدین بن رشید الدین بن محمد الحافظ بن عوض الخاص بن فیروز شاہ زریں کلاہ بن سید محمد الاعرابی بن سید ابوالقاسم حمزہ بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق امام ششم۔ شاہ موصوف کے آبا و اجداد اصحاب کرامت اور ارباب حرفت تقوے تھے۔ اور مدت مدید قصبہ اردبیل میں مقیم رہے اس خاندان میں جس بزرگ نے سب سے پہلے شہرت و ناموری حاصل کی وہ شیخ صفی الدین تھے۔ اور انہی سے نسبت پا کر اس کا نام خاندان صفویہ مشہور ہوا۔ شیخ موصوف کے بعد اون کے فرزند خواجہ صدر الدین صاحب خرقہ اور ہادی فرقہ ہوئے۔ خواجہ ممدوح امیر تیمور کے ہمعصر تھے۔ ایک دفعہ امیر نے معرکہ ڈنگورا کے بعد اون کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر کوئی حاجت ہو تو ارشاد فرماویں۔ خواجہ صاحب نے کہا جو ترک تیرے پاس اسیر ہیں اون کو رہا کر دے۔ صاحبقران نے فوراً تعمیل ارشاد کر دی۔ یہ قیدی اس احسان بزرگانہ سے اون کے ایسے گرویدہ ہو گئے کہ رہائی پاتے ہی زمرہ مریدان میں داخل ہو گئے۔ اور نسلاً بعد نسل جس قدر اونکی جمعیت بڑھتی گئی۔ اسی قدر اون کی عقیدت میں ترقی ہوتی گئی حتیٰ کہ امیر زادگان امیر اور اون کی امداد سے پیرزادے غربت و مسکنت کی قید سے رہا ہو کر مالکان سلطنت عظیم ہو گئے۔ خدا کی قدرت ہے کہ ایک بزرگ تو ترک اسیروں کو جابر فاتح سے رہائی دلوائے اور اسی کا ایک جانشین ترکوں کے خون کا پیاسا ہو۔ اور خود وہ ترک اور اون کی اولاد اپنے پیر کی عقیدت میں ایسے فنا ہو جائیں کہ آخر اس پیر مرد کی اولاد کی خاطر حب الوطنی اور اپنے آبا و اجداد کے مذہب (یعنی عقیدہ سنت والجماعت) کو خیرباد کہدیں اور اپنے پیرزادوں کے دوش بدوش اپنے قومی بھائیوں (ٹرکی کے ترکوں) سے نبرد آزما ہوں۔ خواجہ صدر الدین کے فرزند خواجہ علی زیارت مکہ معظمہ سے فارغ ہو کر بیت المقدس گئے۔ اور وہیں واصل بحق ہوئے

اون کی قبر اب تک اوس شہر میں موجود ہے جہان اون کو شیخ اعجم کے نام سے پکارتے ہیں۔ شیخ جنید کے زمانہ میں مریدوں کا اس قدر اجتماع ہو گیا۔ کہ ترکمان قبیلہ قرہ قونیلو کے سردار جہان شاہ بن قرا یوسف نے جو آذربایجان پر حکمران تھا۔ اون کی جمعیت سے متوہم ہو کر جنید کو اردبیل سے نکال دیا۔ خواجہ ممدوح دیار بکر کے حاکم امیر حسن بیگ کے پاس جو قبیلہ آق قونیلو سے تھا اور اوزون یعنی طویل کے لقب سے مشہور تھا چلے گئے۔ امیر نہایت خاطر و مدارات سے پیش آیا۔ اور اپنی ہمشیرہ کا عقد خواجہ سے کر دیا۔ لیکن نہ حسن کی قرابت اور نہ مریدوں کی حمایت یہ کر سکی کہ خواجہ کی اقامت پھر اردبیل میں ہو سکے اس لئے وہ مایوس ہو کر شیروان کی طرف چلدیئے۔ وہاں کا حاکم بر سر پیکار ہوا۔ اور خواجہ تیر کے زخم سے ملک عدم کو سدھار گئے اون کے بعد اون کا بیٹا سلطان حیدر جو حسن اوزون کا بھانجا تھا وارث ہوا۔ اس نوجوان میں (ماں کی طرف سے) سیاست امارت اور (باپ کی طرف سے) ریاستِ ولائیت کے اوصاف مجتمع تھے۔ چنانچہ باپ کی مسند پر بیٹھتے ہی طریق جہانگیری اختیار اور امیرانہ ٹھاٹھ قائم کیا۔ اوس کا ماموں حسن اس اثنا میں امیر تیمور کی اولاد جہانشاہ اور سلطان ابو سعید کو تاج و تخت سے ہٹا کر کل ممالک ایران کا بالاستقلال سلطان ہو چکا تھا۔ اوس نے اپنی لڑکی سلطان حیدر سے بیاہ دی۔ مسلمان مؤرخین اس لڑکی کا نام عالم شاہ لکھتے ہیں۔ لیکن ایک یورپین مؤرخ جو سلطان حسن کے دربار میں حاضر رہ چکا تھا لکھتا ہے کہ اوس کا نام پارسا تھا۔ اور اوس کی ماں عیسائی اور پادشاہ طرابزون کی لڑکی تھی۔ سلطان حیدر کی بیوی کی ماں خواہ عیسائی ہو یا مسلمان۔ مگر جیسا کہ سلطان محمد فاتح کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ یہ متفق علیہ امر ہے کہ شاہ طرابزون کی دختر سلطان حسن کے حبالۂ نکاح میں تھی۔ چنانچہ اسی قرابت کی وجہ سے وہ طرابزون کے تاج و تخت کا مدعی ہوا تھا۔ لیکن وہ اپنی پچاس ہزار فوج سے سلطان فاتح کے لشکر جرار کا مقابلہ کرنے کی کب جرأت کر سکتا تھا۔ سلطان حیدر کی اس بیوی بطن سے تین فرزند پیدا ہوئے۔ سلطان علی۔ ابراہیم میرزا۔ اور شاہ اسمعیل۔ جب بڑا لڑکا جوان ہوا تو سلطان حیدر نے مریدون کو جمع کر کے باپ کے خون کا عوض لینے کے لئے شیروان پر چڑہائی کی۔ آخر لڑائی مین وہان کے حاکم سے شکست کہا کر قتل ہوا۔ مریدون نے نعش اردبیل مین لا کر دفن کی اور سلطان علی کو اوسکا جانشین بنایا۔ لیکن امیر حسن کے بیٹے یعقوب نے جو اس وقت باپ کی جگہہ فرمانروائے ایران تہا۔ سلطان علی اور اسکے بہائیون یعنی اپنے بہانجون کو اصطخر فارس کے ایک قلعہ مین محبوس کر دیا۔ چار برس بعد یعقوب کے فوت ہونے پر تینون بہائیون کو قید سے بہاگنے کا موقعہ مل گیا۔ وہ اردبیل کو بہاگے اور مریدون کی ایک جماعت انکے پاس جمع ہو گئی۔ لاکن ابہی جمعیت کافی نہ ہوئی تہی کہ لڑائی شروع ہو گئی۔ اور سلطان علی قتل ہو گیا۔ اسکے بہائی لباس تبدیل کر کے گیلان کیطرف

بھاگے۔ جہاں ابراہیم میرزا بھی فوت ہو گیا۔ اور اسمٰعیل جسکی عمر اسوقت چودہ برس کی تھی اکیلا رہ گیا۔ اسمٰعیل
کے چودہ برس کی عمر تک کے حالات کوئی ایسے معلوم نہیں جو قابل تذکرہ ہوں۔ گدی نشین ہونے پر اوسنے
باپ و دادا کا بدلہ لینے کے لئے مریدوں کو جمع کر کے شیروان پر حملہ کیا۔ اور شاہ شیروان کو شکست فاش
دی۔ جب یہ خبر الوند بیگ پسر یعقوب بیگ آق قونیلو (جو اسمٰعیل کے نانا کا پوتہ یا ماموں زاد بھائی تھا۔)
کو پہنچی تو وہ بہت مضطرب ہوا۔ اور اسمٰعیل کے استیصال کے لئے لشکر کشی کی مگر شاہ شیروان کیطرح شکست
یاب ہوا۔ اسمٰعیل نے بلاد آذربائیجان پر متصرف ہو کر تبریز کو اپنا دار الولایت و سلطنت بنایا۔ دوسرے برس
عراق پر فوجکشی کر کے ہمدان کے قریب آق قونیلو قبیلہ کے امراء میں سے ایک اور امیر کبیر سلطان مراد کو
شکست فاش دی۔ اس فتح کے بعد اوس کا اقتدار بسرعت تمام کل عراق پر پھیل گیا۔ الغرض گیلان چھوڑے
چار برس نہ ہوئے تھے کہ فقیر کنج خانقاہ امیر گنج و بارگاہ، اور حیدر درویش کا بیٹا ایران کا مستقل فرمانروا ہو گیا
اسکے آباؤ اجداد صوفی اور موحد تھے۔ اور انکا اعتقاد خلفائے ثلاثہ کے عقیدہ کے مطابق تھا۔ مگر چونکہ
مریدان دنیا دار تصوف و توحید کے مقامات عالی کے ادراک سے عموماً عاجز ہوتے ہیں۔ اسلئے حضرت علی رضی
کی محبت کی تلقین شروع کی۔ جو رفتہ رفتہ امامیہ طریق کی تعلیم کا رنگ پکڑتی گئی حتیٰ کہ اسمٰعیل نے حب علیؓ اور بغض علیؓ
کو ترقی دولت اور ازدیاد جاہ کا آلہ ٹھیرا کر اپنے مریدوں اور رعایا کے دلوں میں اسلام کے دیگر فرقوں کی طرف سے
سخت مذہبی تعصب اور بغض و عناد پیدا کر دیا۔ اور سات ترک قبائل یعنی استاجلو۔ شاملو۔ تیکالو۔ بہارلو۔ ذوالقدر
قاجار اور افشار کو جنگی امداد و سعی سے اوسے ترقی و ظفر نصیب ہوئی سرخ کلاہ پہنا کر اونکا نام قزلباش رکھا تخت
نشینی کے بعد چند برسوں کے عرصہ میں اوسنے اکثر بلاد ایران کو مطیع و منقاد کر کے بغداد اور اوسکے ملحقہ علاقہ کو
فتح کر لیا۔ ادھر سے فارغ ہو کر اتابکوں کو دو بار شکست دیکر خراسان و بلخ و قم کو فتح کیا۔ اور پھر عنان توجہ ان ممالک
کی تسخیر پر جو سلطنت عثمانیہ سے ملتے جلتے تھے منعطف کی۔ سرحد کے اتصاق سے ہمسایہ سلطنتوں میں
شکر رنجی پیدا ہوتا قدرتی امر ہے۔ ایک وجہ تو سلیم کی ناراضگی کی یہ تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اسمٰعیل نے احمد کی
طرفداری کی تھی۔ اور اوسکے تین بیٹوں کو جو عثمانیہ شاہزادوں کے قتل عام سے بچ رہے تھے۔ اپنے پاس پناہ
دی تھی۔ تیسری اور سب سے بڑی وجہ مذہبی اختلاف[1] اور تعصب تھا۔ شاہ اسمٰعیل کو سلیم کی تخت نشینی سے بہت
عرصہ پہلے اقتدار حاصل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور گو سلطان۔ علما اور اکثر عثمانی رعایا سنت جماعت تھے
مگر ہر ایک صوبہ میں شیعوں کی تعداد بیشمار ہو گئی تھی۔ اور اس تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا تھا

[1] بڑی خوشی کا مقام ہے کہ شاہ ناصر الدین مرحوم و شاہ مظفر الدین اور سلطان عبد العزیز و سلطان عبد الحمید خاں کی مساعی جمیلہ
سے یہ اختلاف کئی برسوں سے دور ہو رہا ہے اور عنقریب بالکل زائل ہو جائیگا۔

اکثر محققین اس امر پر متفق ہیں کہ "شیعہ مذہب کے پُر اسرار عقائد سے اوسکے معتقدین کو پولٹیکل (ملکی) اور مذہبی بغاوت و انقلاب پیدا کرنیکے لئے کچھ کم ترغیب نہیں ملتی۔ جہاں کہیں اس عقیدہ کا وجود ہو وہاں موجودالوقت حکام کے برخلاف بغاوت ہو جانے کا ہر وقت احتمال رہتاہے"۔ چنانچہ کاہل الوجود بایزید کو تو اپنی سلطنت میں اِمامیہ طریق کے معتقدین کی تعداد بڑھتے جانیکی طرف چنداں خیال نہ ہوا۔ مگر سلیم اس مادہ کو جو اوسکے زعم میں بداعتقادی اور بغاوت کا مجموعہ و مخزن تھا کبھی اپنے ملک میں باقی چھوڑنا گوارا نہ کرسکتا تھا۔ لیکن اگر شاہ اسمٰعیل اپنے ملک کے شیعوں کو پیروان سنت والجماعت کی جان و مال کو تاخت و تاراج کرنے کا عملی سبق سکھلانے کے لئے اون بیشمار سنیوں کو جو اوسکی مملکت میں بکھرے ہوئے تھے کتوں سے زیادہ ذلیل اور اون کے بزرگوں کے مقبروں اور خانقاہوں کو ناپاک و مسمار نہ کرتا۔ تو شاید سلیم ایسی سختی سے کام نہ لیتا جو بیان مندرجہ ذیل سے واضح ہو جائیگی۔ سلیم نے ارتداد کو نابود کرنے کے لئے ممالک غیر پر حملہ کرنیسے پہلے جب اپنے گھر کو اس سے صاف کرنے کی پختہ صلاح کرلی۔ تو اوسنے تمام ایسے لوگوں کے قتل کیلئے جو آبائی عقیدہ سے منحرف ہوگئے تھے نہایت سوچ بچار کے بعد تجاویز سوچیں۔ سلطان کا یہ فعل ویسا ہی تھا جیسا کہ اوسی صدی میں فرانس کے رومن کیتھلک عقیدہ کے پابند شاہ چارلس نہم نے جو ۱۵۶۰ء میں اپنے بھائی فرانسس کے بعد تخت نشین ہوا اور اس قتل عام کے بعد جلدی ہی ۲۴ برس کی عمر میں ۱۵۷۴ء میں فوت ہوا۔ اپنے ملک کے پروٹسٹنٹ مذہب رکھنے والوں کے ساتھ کیا تھا مگر عیسائی بادشاہ اور اوسکی ہم مذہب رعایا نے غداری اور بے ایمانی سے آخرالذکر واقعہ کو پہلے سے زیادہ قبیح اور نامردانہ فعل بنا دیا۔ یہ واقعہ سینٹ (ولی) بارتھالومیو قتل عام کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ رومن کیتھولکس امرا نے پروٹسٹنٹوں سے پہلے چند روز بظاہر صلح کرکے جبکہ وہ مخالفین کی شرارت سے مطمئن ہوچکے تھے اگست ۱۵۷۲ء میں سینٹ موصوف کے تیوہار کے دن کل پروٹسٹنٹوں کو جو پیرس اور صوبجات میں رہتے تھے اکثر کو معکر کے اپنے مکانوں میں اور بیشمار کو راہ چلتے اور گھروں میں سوتوں کو ستر ہزار کی تعداد میں قتل کرا دیا۔ اس قتل کا انتظام ایسی خاموشی اور درستی سے کیا گیا کہ اوس کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے کسی پروٹسٹنٹ پر اس کا راز افشا نہ ہوا۔ مگر سلیم نے ایسی کوئی بے ایمانی یا غداری نہ کی۔ اُس نے کل سلطنت میں خفیہ پولیس قابل تعریف تدبر و لیاقت کے ساتھ مقرر کردی اور اوس کے ذریعہ یورپین و ایشیائی ٹرکی کے اون تمام مسلمانوں کی فہرست حاصل کرلی جنکی نسبت شیعہ ہونیکا شبہ تھا۔ انکی تعداد معہ زن و فرزند ستر ہزار پائی گئی۔ فہرست کے تیار ہوجانے پر سلیم نے کل ممالک محروسہ میں فوج کو تقسیم کردیا۔ اور ہر شہر اور ضلع میں شیعوں کی تعداد کے لحاظ سے فوج متعین کی۔ پھر ایک تاریخ مقرر کرکے سب کو گرفتار کرا لیا جن میں سے چالیس ہزار قتل کئے گئے۔ اور باقی ماندہ دائم الحبس۔ سنت جماعت پر شاہ اسمٰعیل اور شیعوں کا جو ظلم اس درجہ پہنچ گیا ہوا تھا اور عثمانی رعیت اون سے یوں برافروختہ

ہو رہی تھی کہ سلیم کے زمانہ کے تمام عثمانی مؤرخین نے سلیم کو محض اس کارروائی کے صلہ میں جو اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو بیشک سخت ظالمانہ تھی شاہ عادل کا لقب دیا ہے۔ جس کو عیسائی طاقتوں کے سفیر بھی اپنے مراسلوں میں جو وہ اپنی گورنمنٹوں کو بھیجتے تھے درج کرتے رہے۔ وینس کے سفیر نے اس واقعہ سے کئی برس بعد یہاں تک لکھدیا کہ میں نے مدت العمر میں سلیم سے بڑھکر نیک چلن۔ منصف مزاج۔ رحمدل اور عالی حوصلہ کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

شاہ اسمٰعیل پہلے ہی سلطان سلیم کے خون کا پیاسا تھا۔ اپنے ہم مذہبوں کے قتل کی خبر سنکر اوس کی آتش غضب اور مشتعل ہوگئی۔ شاہ نے فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور سلطان سلیم کو معقول سزا دیکر معزول کرنے اور اوسکی جگہ شاہزادہ مراد پسر احمد کو جو اوسکے پاس پناہ گزیں تھا تخت عثمانیہ پر بٹھلانے کی پختہ نیت کرلی۔ سلیم کو کسی خارجی تحریک کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی شاہ اسمٰعیل کو اوسکے تمرد و خودسری کی سزا دینے کا ارادہ ٹھان رکھا تھا۔ اور اسی لئے جب روس۔ ہنگری۔ وینس اور مصر کے عیسائی اور مسلمان بادشاہوں کی طرف سے ایلچی مبارکباد کے پیام لے کر اوسکے دربار میں حاضر ہوئے۔ تو اس نے ان سب کی نہایت تپاک سے مدارات کی۔ اور کل ہمسایہ عیسائی سلطنتوں سے صلح کے نئے معاہدے یا پرانے معاہدوں کی تجدید کر کے اپنی سرحدوں کی حفاظت کی طرف سے اطمینان کر لیا تھا۔ چنانچہ اسمٰعیل کے حملہ کا انتظار کرنے کی بجائے اس نے خود غنیم پر لشکرکشی کرنیکا انتظام پوری مستعدی اور استقلال سے شروع کردیا۔ مگر شاہ اسمٰعیل کے حسن لیاقت اور خوش قسمتی اور اوسکی فوج کی بہادری کی تمام ایشیا میں ایسی دھاک بندھی ہوئی تھی کہ جب سلیم نے ارکان حرب و اعیان دولت کی مجلس میں اپنا ارادہ ایران پر چڑھائی کرنے کا ظاہر کیا تو کل ارکان مجلس دم بخود ہو گئے۔ تین دفعہ سلطان نے اونکو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ اور تینوں مرتبہ وہ سب خاموش رہے۔ آخرکار ایک ینگچری سپاہی عبداللہ نامی نے جو مجلس کے دروازہ پر سنتری تھا مہر سکوت کو توڑا۔ اور سلطان کے سامنے گھٹنوں کے بل گرکر عرض کیا کہ میں اور میرے ساتھی بڑی خوشی سے بادشاہ کے ظل حمایت میں شاہ ایران سے جنگ کرنے کے لئے کوچ کرینگے۔ سلیم نے اس جوانمرد کو اوسی وقت ضلع سلنیق کا سنجق بے مقرر کردیا۔

ترکی فوج ینی[1] شہر کے میدان میں جمع کی گئی۔ اور بتاریخ ۲۰ اپریل ۱۵۱۴ء جمعرات کے دن جسکو عثمانی بہت مبارک دن سمجھتے ہیں سلیم نے کوچ شروع کیا۔ ۲۷ اپریل کو ترکی لشکر میں ایک ایرانی جاسوس پکڑا گیا۔ جسکے ہاتھ سلطان نے شاہ کو خط بھیجکر باضابطہ جنگ کا اعلان کیا۔ اس خط میں حمد و نعت کے بعد سلطان نے کئی

[1] ایک ینی شہر ٹرائی کے قدیم کھنڈرات کے قریب قوم تلعوسی کے جنوب میں جزیرہ مجمع الجزائر پر واقع ہے اور دردانیال کے ایشیائی ساحل سے نو میل بجانب جنوب ہے۔ دوسرا ینی شہر جس ... بروصہ کے متصل قصبہ اینگ... کے قریب واقع ہے۔ مؤلف

سطروں میں اپنی تعریف میں لکھکر امیر اسمٰعیل کو جسنے ظلم و سفاکی میں ضحاک و افراسیاب اور بدقسمتی میں دارائے ثانی قرار دیا۔ انسان کی خلقت کا مدعا آیات قرآنی سے بتایا۔ اور پھر اوسکو اوسکی ظلم پرستی۔ بداعتقادی اور خلفاء راشدہ کی توہین کرنے پر ملامت کر کے توبہ کرنے کی نصیحت کی۔ اور آخر میں سلطنت عثمانیہ کے اون اضلاع کو جنپر شاہ قابض ہوگیا تھا۔ ترکی حکام کو واپس کر دینے کے لئے کہا گیا۔" لیکن اگر (خط کے آخری الفاظ یہ ہیں۔)

تیری بدقسمتی تجھکو اپنے سابقہ طریق عمل پر مصر رہنے پر مجبور کرے۔ اگر تو اپنی جاہلانہ بہادری اور نشہ طاقت میں سرمست ہوکر بدکاریوں کی پرانی روش پر چلتا رہا تو تھوڑے دنوں میں تو اپنی مرغزاروں کو ہمارے خیموں سے ڈھنپی ہوئیں اور ہمارے لشکر جرار سے متلاطم پائیگا۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ"۔

سلیم نے اس خط میں اپنی علمی قابلیت اور زہد و اتقا پر بڑی تعلّی کی ہے مگر اپنے مرتد دشمن کے مقابلہ کیلئے اپنی دو دھاری تلوار پر انحصار نہ رکھکر دشمن کو راہ راست پر لانیکے لئے اُنے ذرا زبردست وسائل سے غافل نہ رہا جب اسنے بمقام سیواس اپنی فوج کا عام جایزہ لیا تو ایک لاکھ چالیس ہزار مسلح جوان جنگ کیلئے تیار پائے گئے۔ انکے علاوہ پانچ ہزار جوان محکمہ کمسریٹ پر مامور تھے جنکے پاس رسد رسانی کیلئے ساٹھ ہزار اونٹ بھی تھے چالیس ہزار فوج قیصریہ سے سیواس تک منزل بمنزل ضرورت کے وقت کام آنیکیلئے ریزرو میں اسطرح سے رکھی ہوئی تھی کہ پہلے سب سے قریبی منزل کی فوج بلالی جائے جسکی جگہ دوسری منزل کی فوج لے۔ اور اسطرح پہلی منزل یعنی قیصریہ میں کوئی فوج نہ رہکر دوسری منزل اس فوجی سلسلہ کی پہلی کڑی میں پہنچ جائے۔ اسیطرح جتنی مرتبہ آخری منزل سے فوج بلائی جائے اُتنی ابتدائی منزلیں فوج سے خالی ہوتی جائیں۔ اسمیں سب سے مشکل کام آمد و رفت کا رستہ محفوظ اور رسد رسانی بہم پہنچانیکے انتظام کو قائم رکھنا تھا۔ کیونکہ ایرانی مردانہ وار مقابلہ پڑنے کی بجائے کل علاقہ کو ایسا برباد کر کے کہ غنیم کیلئے کوئی چارہ یا غلہ یا مکان باقی نہ رہ گیا۔ پیچھے ہٹ گئے تھے۔ حملہ آور فوج کیلئے طرابزون میں گودام بنائے گئے تھے جہاز ہر قسم کا سامان وہاں تک پہنچاتے تھے اور اوس جگہ سے خچروں پر فوج تک پہنچایا جاتا تھا۔ سلیم نے گرگ کہن اسمٰعیل کو نظم و نثر میں کئی طعنہ آمیز خطوط لکھکر اپنی چال چھوڑکر میدان جنگ میں لانے کی کوشش کی۔ ایک خط میں اوس نے لکھا وہ جو شخص بدعہدی اور بے ایمانیوں سے تاج و تخت پر قابض ہوگئے ہوں۔ اون کو خطروں کے مقابلہ سے بھاگنا سزاوار نہیں۔ بلکہ اونکو ڈھال کی طرح سینہ سپر اور خود کی طرح دشمن کی ضربوں کو برداشت کرنا چاہئے۔ دوسرے خط میں یہ شعر لکھ کر روانہ کیا۔ ؎

"عروس ملک کسے در کنار گیرد چست
که بوسه بر لب شمشیر آبدار زند"

اسمٰعیل نے سلیم کی غضب آلود نصیحتوں اور شرمناک تحریروں کے جواب میں نہایت متانت اور وقار کے ساتھ

خط لکھکر تعجب ظاہر کیا کہ مجھے سلطان سلیم کے حملہ آور ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی - میں دوستانہ تعلقات قایم کرنے کو ہمہ تن تیار ہوں - آخر میں اسمٰعیل نے افسوس ظاہر کیا کہ سلطان نے اپنی تحریروں میں بالکل اپنی شان سے گری ہوئی طرز اختیار کی ہے مگر مجھے کامل یقین ہے کہ کسی منشی نے جو افیون کی چسکی معمول سے زیادہ لے گیا ہو افراتفری میں ان خطوط کو تحریر کیا ہوگا "۔ اسمٰعیل نے اس خط کے ساتھ بظاہر اُس منشی کے لیے جس نے اسمٰعیل کے خیال میں سلیم کے نام سے خط کو تحریر کیا تھا - افیون کا ڈبہ بطور تحفہ ارسال کیا مگر چونکہ سلیم خود افیون کا سخت عادی تھا اور اوس کو اپنی علمی لیاقت پر بھی بڑا ناز تھا - غنیم کی یہ مہذبانہ چبھی چوٹ زہر آلود تیر کا کام کر گئی - اوس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہ گئی - اور اسی وقت ایرانی ایلچی کو ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا - لیکن یہ حرکت سلیم نے بحالت خود فراموشی کی تھی - اسمٰعیل اوس کا نمک پہلے سے ہو چکا تھا اعلان جنگ سے بہت عرصہ پہلے سلیم نے شاہ کے پاس ایلچی بھیجکر شاہزادہ مراد کو واپس طلب کیا تھا - مراد نے اسمٰعیل کے ایماء سے برسر دربار اوس کا بند بند جدا کر دیا +

شاہ اسمٰعیل کا دار الخلافہ تبریز تھا - سلیم دیاربکر - کردستان اور آذربائیجان کے شمالی حصوں میں سے اوس پر برابر بڑھتا چلا گیا - لیکن ویسے ہی شاہ دور اندیشی سے کام لے کر تمام ملک کو ویران کرتا ہوا پیچھے ہٹتا جاتا تھا جس سے سلیم کو جسقدر وہ آگے بڑھتا - بار برداری اور رسد رسانی میں اور زیادہ مشکلات درپیش آتی جاتیں ینگچری ان مصائب سے گھبرا اُٹھے - لیکن راسخ العزم سلیم کا ارادہ اور پختہ ہوتا گیا - اُس نے فوج میں کامل نظام قایم رکھنے کے لئے سخت نگرانی شروع کر دی - اور رسد رسانی کے معاملہ میں بھی پہلے سے دگنی مستعدی ظاہر کی فوج ایسی تنگ آگئی تھی کہ کل افسروں نے حمدان پاشا کو جس نے بچپن سے سلیم کے ساتھ پرورش پائی تھی اور سلطان اوسکے بہت مُنہ لگا ہوا تھا - سلطان سلیم کو ویران شدہ ملک میں اور آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے کہنے پر تیار کر دیا - سلطان نے اوس کی جسارت سے ناراض ہو کر اوسکو فوراً قتل کرا دیا - اور پیش قدمی کو برابر جاری رکھا -

بمقام سوگماجا رجیا کے عیسائی بادشاہ کا سفیر سامان رسد وغیرہ لے کر بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوا - اس غیر مترقبہ امداد سے فوج کی تکالیف میں بہت کچھ تخفیف ہو گئی - فوج کو سستانے کے لئے اس جگہ چندان قیام کرنیکے بعد سلیم نے پھر تبریز پر پیشقدمی کرنے کا حکم دیا - لیکن ینگچریوں نے علانیہ بغاوت کر کے باواز بلند گھروں کی طرف مراجعت کئے جانے کا مطالبہ کیا - فوج کی آزردگی کے سابقہ اظہارات کو سلیم اس طرح سے ٹال جاتا تھا کہ گویا اوسکو خبر ہی نہیں - مگر اب صورت حال ایسی بگڑ گئی تھی کہ ایسی حکمت عملیوں سے کچھ نہیں بن سکتا تھا - اور ان کے لئے کسی اور ہی تدبیر کی ضرورت تھی - چنانچہ سلطان فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مردانہ وار قلب لشکر میں در آیا - اور فوج کو مخاطب کر کے کہا " کیا تم اپنے سلطان کی یہی خدمت کر رہے ہو - کیا تمہاری

سلوں اپنی تعریف میں لکھکر اسمٰعیل کو جسنے ظلم وسفاکی میں ضحاک وافراسیاب اور بدقسمتی میں دارائے ثانی قرار دیا۔ انسان کی خلقت کا مدعا آیات قرآنی سے بتایا۔ اور پھر اوسکو اوسکی ظلم پرستی۔ بداعتقادی اور خلفاء راشدہ کی توہین کرنے پر ملامت کر کے توبہ کرنیکی نصیحت کی۔ اور آخر میں سلطنت عثمانیہ کے اون اضلاع کو جنپر شاہ قابض ہو گیا تھا۔ ترکی حکام کو واپس کردینے کے لئے کہا گیا۔" لیکن اگر خط کے آخری الفاظ یہ ہیں۔)

تیری بدقسمتی تجھکو اپنے سابقہ طریق عمل پر مصر رہنے پر مجبور کرے۔ اگر تو اپنی جاہلانہ بہادری اور نشہ طاقت میں سرمست ہو کر بدکاریوں کی پرانی روش پر چلتا رہا تو تھوڑے دنوں میں تو اپنی مرغزاروں کو ہمارے خیموں سے ڈھنپی ہوئیں اور ہمارے لشکر جرار سے متلاطم پائیگا۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ"۔

سلیم نے اس خط میں اپنی علمی قابلیت اور زہد و اتقا پر بڑی تعلّی کی ہے مگر اپنے مرتد دشمن کے مقابلہ کیلئے اپنی دو نوں یا توتیر انحصار نہ رکھکر دشمن کو راہ راست پر لانیکے لئے اسنے ذرا زبردست وسائل سے غافل نہ رہا جب اسنے بمقام سیواس اپنی فوج کا عام جائزہ لیا تو ایک لاکھ چالیس ہزار زرہ پوش مسلح جوان جنگ کیلئے تیار پائے گئے۔ انکے علاوہ پانچہزار جوان محکمہ کمسریٹ پر مامور تھے جنکے پاس رسد رسانی کیلئے ساٹھ ہزار اونٹ بھی تھے چالیس ہزار فوج قیصریہ سے سیواس تک منزل بمنزل ضرورت کے وقت کام آنیکیلئے ریزرو میں اسطرح سے رکھی ہوئی تھی کہ پہلے سب سے قریبی منزل کی فوج بلالی جائے جسکی جگہ دوسری منزل کی فوج لے۔ اور اسطرح پہلی منزل یعنی قیصریہ میں کوئی فوج نہ رہکر دوسری منزل اس فوجی سلسلہ کی پہلی کڑی میں بنجائے۔ اسیطرح جتنی مرتبہ آخری منزل سے فوج بلائی جائے اُتنی ابتدائی منزلیں فوج سے خالی ہوتی جائیں۔ اسمیں سب سے مشکل کام آمد و رفت کا راستہ محفوظ اور رسد رسانی بہم پہنچانیکے انتظام کو قائم رکھنا تھا کیونکہ ایرانی مردانہ وار مقابلہ پڑنے کی بجائے کل علاقہ کو ایسا برباد کرکے کہ غنیم کیلئے کوئی چارہ یا غلہ یا مکان باقی نہ رہ گیا۔ پیچھے ہٹ گئے تھے۔ حملہ آور فوج کیلئے طرابزون میں گودام بنائے گئے تھے جہاز ہر قسم کا سامان وہاں تک پہنچاتے تھے اور اوس جگہ سے خچروں پر فوج تک پہنچایا جاتا تھا۔ سلیم نے گرگ کہن اسمٰعیل کو نظم و نثر میں کئی طعنہ آمیز خطوط لکھکر اپنی چال چھوڑ کر میدان جنگ میں لانے کی کوشش کی۔ ایک خط میں اوس نے لکھا وہ جو شخص بدعہدی اور بے ایمانیوں سے تاج و تخت پر قابض ہو گئے ہوں۔ اون کو خطروں کے مقابلہ سے بھاگنا سزاوار نہیں۔ بلکہ اونکو ڈھال کی طرح سینہ سپر اور خود کی طرح دشمن کی ضربوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ دوسرے خط میں یہ شعر لکھ کر روانہ کیا۔

"عروس ملک کسے در کنار گیرد چست
کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار زند"

اسمٰعیل نے سلیم کی غضب آلود نصیحتوں اور خشمناک تحریروں کے جواب میں نہایت متانت اور وقار کے ساتھ

خط لکھکر تعجب ظاہر کیا کہ مجھے سُلطان سلیم کے حملہ آور ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی - میں دوستانہ تعلقات قایم کرنے کو ہمہ تن تیار ہوں - آخر میں اسمٰعیل نے افسوس ظاہر کیا کہ سُلطان نے اپنی تحریروں میں بالکل اپنی شان سے گری ہوئی طرز اختیار کی ہے مگر مجھے کامل یقین ہے کہ کسی منشی نے جو افیون کی چسکی معمول سے زیادہ لے گیا ہو افراتفری میں ان خطوط کو تحریر کیا ہوگا" - اسمٰعیل نے اس خط کے ساتھ بظاہر اُس منشی کے لیے جس نے اسمٰعیل کے خیال میں سلیم کے نام سے خط کو تحریر کیا تھا - افیون کا ڈبہ بطور تحفہ ارسال کیا مگر چونکہ سلیم خود افیون کا سخت عادی تھا اور اوس کو اپنی علمی لیاقت پر بھی بڑا ناز تھا - غنیم کی یہ مہذبانہ چھبی چوٹ زہر آلود تیر کا کام کر گئی - اوس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہ گئی - اور اسی وقت ایرانی ایلچی کو ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا - لیکن یہ حرکت سلیم نے بحالت خود فراموشی کی تھی - اسمٰعیل اوس کا مرتکب پہلے سے ہو چکا تھا اعلان جنگ سے بہت عرصہ پہلے سلیم نے شاہ کے پاس ایلچی بھیجکر شاہزادہ مراد کو واپس طلب کیا تھا - ورمراد نے اسمٰعیل کے ایماء سے برسر دربار اوس کا بند بند جدا کر دیا +

شاہ اسمٰعیل کا دارالخلافہ تبریز تھا - سلیم دیار بکر - کردستان اور آذربائیجان کے شمالی حصوں میں سے اوس پر برابر بڑھتا چلا گیا - لیکن ویسے ہی شاہ دور اندیشی سے کام لے کر تمام ملک کو ویران کرتا ہوا پیچھے ہٹتا جاتا تھا جس سے سلیم کو جسقدر وہ آگے بڑھتا - باربرداری اور رسد رسانی میں اور زیادہ مشکلات درپیش آتی جائیں ینگچری ان مصائب سے گھبرا اُٹھے - لیکن راسخ العزم سلیم کا ارادہ اور پختہ ہوتا گیا - اُس نے فوج میں کامل نظام قایم رکھنے کے لیے سخت نگرانی شروع کر دی - اور رسد رسانی کے معاملہ میں بھی پہلے سے دگنی مستعدی ظاہر کی - فوج ایسی تنگ آگئی تھی کہ کل افسروں نے حمدان پاشا کو جس نے بچپن سے سلیم کے ساتھ پرورش پائی تھی اور جسکے اوسکے بہت منہ لگا ہوا تھا - سلطان سلیم کو ویران شدہ ملک میں اور آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے کہنے پر تیار کر دیا - سلطان نے اوس کی جسارت سے ناراض ہو کر اوسکو فوراً قتل کرا دیا - اور پیش قدمی کو برابر جاری رکھا -

بمقام سوگما جارجیا کے عیسائی بادشاہ کا سفیر سامان رسد وغیرہ لے کر بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوا - اس غیر مترقبہ امداد سے فوج کی تکالیف میں بہت کچھ تخفیف ہو گئی - فوج کو ستانے کے لئے اس جگہ چندان قیام کرنیکے بعد سلیم نے پھر تبریز پر پیشقدمی کرنے کا حکم دیا - لیکن ینگچریوں نے علانیہ بغاوت کر کے آواز بلند گھروں کی طرف مراجعت کئے جانے کا مطالبہ کیا - فوج کی آزردگی کے سابقہ اظہارات کو سلیم اس طرح سے ٹال جاتا تھا کہ گویا اوسکو خبر ہی نہیں - مگر اب صورت حال ایسی بگڑ گئی تھی کہ ایسی حکمت عملیوں سے کچھ نہیں بن سکتا تھا - اور ان کے لئے کسی اور ہی تدبیر کی ضرورت تھی - چنانچہ سُلطان فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مردانہ وار قلب لشکر میں در آیا - اور فوج کو مخاطب کر کے کہا - "کیا تم اپنے سُلطان کی یہی خدمت کر رہے ہو - کیا تمہاری

وفاداری فقط زبانی شیخی اور باد ہوائی باتوں تک محدود ہے؟ تم میں سے جو لوگ گھروں کو جانا چاہتے ہیں وہ صفوں سے علیحدہ کھڑے ہو جائیں اور چلے جائیں۔ باقی رہا میں سو رجعت قہقری کرنے کے لئے میں یہاں تک نہیں بڑھا چلا آیا۔ بس بزدل اسی وقت اُن بہادروں سے جو اپنی ترکش و تلوار اور جسم و جان کو ہماری مہم پر وقف کر چکے ہیں علیحدہ ہو جائیں۔ میں وہ شخص ہوں کہ جس کام کا ارادہ کر لوں اُس سے کبھی مُنہ نہیں پھیرتا۔ اس تقریر کے بعد صف آراء ہو کر کوچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور ایک ینگچری کو بھی صفوف لشکر سے باہر نکلنے کی جرأت نہ پڑی۔

ادھر دوسری طرف جھوٹی شیخی شاہ اسمٰعیل کی احتیاط دور اندیشی پر غالب آگئی۔ اوسکی غیرت نے برابر نامردوں کی طرح بیٹھ دکھاتے چلے جانا گوارا نہ کیا۔ علاوہ بریں غنیم تبریز کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اور ترکوں کی پیشقدمی اور خود اپنے ہاتھوں مُلک کو ویران کرنے سے اوسکی رعایا جو بربادی وارد ہو رہی تھی اوسے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ انہی وجوہات سے اُس نے غنیم کا مقابلہ کرنے کا عزم کر لیا اور خالدران کی وادی میں جو تبریز سے بیس فرسنگ کے فاصلہ پر ہے اپنے لشکر کو جنگ کے لئے ترتیب دی۔ ۲۳ اگست کو سلیم نے وادیٔ مذکور کی مغربی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر جب ایرانی لشکر کو اپنے سامنے دیکھا تو اوس کی خوشی کا کوئی حد و حساب نہ رہ گیا اور اُسی وقت لشکر کو صفوف جنگ میں آراستہ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہونے کا حکم دیدیا۔ اوسکی فوج اوسوقت تعداد میں ایک لاکھ بیس ہزار تھی جن میں سے اسّی ہزار سوار تھے۔ مگر آدمی اور گھوڑے دونوں متواتر کوچ کی مشقتوں اور فاقوں سے نڈھال ہو رہے تھے۔ وہ شاہ ایران کی شاندار فوج سواران کا جو بالکل تازہ دم کامل مسلح اور پُر جوش تھی مقابلہ کرنے کے ہرگز قابل نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ایرانی فوج سوار ترکی فوج سواروں کے برابر تھی۔ مگر ساتھ ہی شاہ ایران کی کل کائنات یہی تھی۔ اور اوسکے پاس فوج پیدل یا توپخانہ مطلقاً نہ تھا۔ برخلاف اس کے سلیم کی فوج گو شکستہ حال اور تھکی ماندی تھی۔ لیکن اُس میں ایک زبردست توپخانہ موجود تھا۔ اور ینگچری فوج (جو پیدل ہوتی تھی) کے حصہ کثیر کے پاس بندوقیں موجود تھیں۔

سلیم نے اناطولی (اناطولیہ) کی فیوڈل[1] فوج سواران کو سنان پاشا کے ماتحت یمین پر اور رومیلیا (یورپین ٹرکی) کے فیوڈل کیولری (فوج سواران) کو حسن پاشا کے زیر کمان یسار پر مامور کیا۔ توپخانہ ہر ایک بازو کے سرے پر نصب کیا گیا۔ اور اوسکو دشمنوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنے کے لئے وہ فالتو اور نقول حصہ

[1] فیوڈل فوج کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ ینگچری فوج تو ہر وقت حاضر باش رہنے والی فوج تھی جس کو خزانہ شاہی سے تنخواہ ملتی تھی۔ فیوڈل فوج کے سواروں اور افسروں کو جنگی خدمات کے عوض زمینیں عطا ہوتی تھیں کہ بوقت ضرورت حاضر ہو جائیں۔ فیوڈل فوج میں تقریباً سوار ہی ہوتے تھے۔

فوج کا جو آذاب بکلا جاتا تھا۔ کھڑا کردیا گیا اور اوسکو سمجھا دیا گیا کہ جب ایرانی حملہ آور ہوں تو وہ توپوں کی طرف پیچھے ہٹیں تاکہ دشمن بھی اونکا تعاقب کرتا ہوا توپوں کے منہ کے سامنے پہنچ جائے۔ ینیچری فوج کسی قدر عقب کی طرف قلب میں موجود تھی۔ اور اوس کی حفاظت کے لئے اسباب ڈھونے کے چھکڑوں کی باڑہ یا دیوار بنادی گئی تھی۔ ینیچری فوج سے پیچھے خاص سلطانی اردل کے سوار تھے اور خود سلیم بھی وہیں موجود تھا۔ اسمٰعیل نے اپنی فوجکو دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک اپنے ماتحت رکھا اور دوسرے کی کمان اپنے پیارے جنرل استاد لواد علی کو دی۔ اسمٰعیل کا منشا تھا کہ ترکی توپخانہ سے بچکر ان حصوں سے عثمانیہ فوج کے دونوں بازوؤں پر پہلو پر سے حملہ آور ہوکر اونکی صفوں کو الٹ دے۔ اور پھر ینیچریوں کو عقب پر سے جا لے۔ اوسے امید تھی کہ اگر آذاب فوج پر حملہ کیا گیا تو وہ ترکی صف کے دائیں بائیں ہوکر رفو چکر ہو جائیگی۔ اور اس طرح ایرانی توپوں کی زد میں آجائینگے اسی اُس نے حکم دیدیا کہ آذاب فوج کی صفوں کو چیر کر عثمانیوں پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ بلکہ جبتک ترکی توپوں کی زد سے دور نہ ہو جائیں اوسوقت تک جس طرف آذاب پھریں اوسی طرف خود بھی پھر جائیں۔ تاکہ وہ ایرانیوں اور ترکی توپوں کے درمیان رہیں۔ اور پھر عثمانیہ فوج کے بازوؤں اور عقب پر حملہ کیا جائے۔ اسمٰعیل کی یہ چال اسواسطے بھی بہت مفید تھی کہ دونوں بازوؤں کی عثمانیہ توپیں ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے جکڑی ہوئی تھیں۔ اس لئے ایک دفعہ لڑائی کے شروع ہو جانے پر اونکا رُخ بدلنا تقریباً ناممکن تھا۔ ایرانیوں کو فتح کا کامل یقین تھا۔ اور اس یقین پر سرمست ہوکر وہ شاہ شاہ کے نعرے بلند کرتے ہوئے ترکوں پر حملہ آور ہوئے ترکوں نے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا۔ اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ثابت قدمی کے ساتھ تیار ہوگئے۔ جس حصہ پر خود اسمٰعیل کمان کر رہا تھا۔ وہ اپنے ارادہ میں پورا پورا کامیاب ہو گیا۔ اسمٰعیل چکر کھاکر پیچھے ہٹتے ہوئے آذابوں کے اوپر سے پہلو پر سے ہوکر نکل گیا اور عثمانیوں کے یسار پر بجلی کی طرح گر کر اونکو بکمال سراسیمگی ترکی فوج عقب کی طرف بھگا دیا۔ مگر دوسرے بازو پر ترکی جرنیل سنان پاشا اپنے حریف اُستاد لواد علی سے بازی لے گیا۔ اُس نے آذابوں کو حکم دیدیا کہ چکر کاٹ کر پیچھے ہٹنے کی بجائے بخط مستقیم پیچھے کو ہٹ آئیں۔ اور جب وہ ایرانیوں کے حملہ کردینے پر پیچھے ہٹے تو اون کو توپوں کی زنجیروں پر سے عقب کو ہٹا کر ایرانی سواروں کے دل بادل دستہ پر جو آذاب کے تعاقب میں سرپٹ چلا آرہا تھا۔ توپوں کی ہلاکت بخش باڑہ چلائی۔ اُستاد لواد علی بھی اون شخصوں میں سے تھا جو سب سے پہلے ترکی توپوں کے شکار ہوئے۔ جرنیل کے مرنے پر ایرانی فوج کے یسار میں ابتری پڑگئی جسکو سنان پاشا نے جلدی ہی حملہ آور ہوکر توکدم فرار سے متبدل کردیا۔ اس بازو پر فتح نصیب ہونے سے سلیم اپنے شکست خوردہ بازو کی مدد کرنے کے قابل ہوگیا۔ وہ ینیچری فوج کو لے کر ایرانیوں کے مقابلہ پر آیا مگر یہ پہلی لڑائیوں سے کسی قدر کوفت زدہ اور ہراساں ہوچکے تھے۔ اس اثنا در فوج پیدل کی صفوں کو نہ

توڑ سکے اور نہ اوس کی بندوقوں کی جانگداز باڑھوں کی زیادہ دیر تک تاب لاسکے۔ ایرانیوں کے پاؤں لڑکھڑانے شروع ہوہی گئے تھے کہ اتنے میں خود اسمٰعیل بھی بازو اور پاؤں میں زخم کھاکر گھوڑے پر سے گر پڑا۔ اور اگر اوس کا جان نثار خادم مرزا سلطان علی آگے بڑھکر ترکوں کو نہ کہدیتا کہ شاہ میں ہوں۔ تو اسمٰعیل کا کام تمام ہوچکا تھا۔ ترک سلطان علی کو پکڑکر اوسکے جسم کی تلاشی میں مصروف ہوئے۔ اور ادھر اسمٰعیل زمین پر سے اٹھکر کھڑا ہوگیا خضر نام ایک دوسرے خادم نے اپنا گھوڑا اوسکے سپرد کیا اور وہ دوسرے ایرانیوں کی مدد سے جو پاس موجود تھے گھوڑے پر سوار ہوکر میدان جنگ سے جان سلامت لے گیا۔

سلطان سلیم کو فتح تو کامل نصیب ہوئی مگر بڑے مہنگے داموں عثمانیہ فوج کے پورے چودہ سنجق بے (صاحبانِ علَم) میدان جنگ میں کھیت رہے۔ اور اسی قدر خوانین شاہی لشکر کے ڈھیر ہوئے۔ سلیم نے غنیم کے خیامگاہ اور کیمپ پر جسمیں شاہی خزانہ اور حرم بھی تھا اپنا تصرف کرلیا۔ حرم میں اسمٰعیل کی چاہتی بیوی بھی موجود تھی۔ سلیم نے عورتوں اور بچوں کے سوا تمام قیدیوں کو قتل کرادیا۔ اور پھر فتح سے تیرھویں دن بعد تبریز پر بڑھکر بفتح و شادمانی ایرانی پایۂ تخت میں داخل ہوا۔ شاہ اسمٰعیل خالدران سے تبریز کو اور پھر سلیم کے آنے سے پہلے ہی تبریز سے دامغان کو بھاگ گیا۔ تبریز میں سلطان کو بیشمار مال غنیمت ملا۔ مگر سب سے بڑی غنیمت جو اوسکے ہاتھ آئی۔ اور جس سے اوسکی کمال دوراندیشی اور ملک پروری ظاہر ہوتی ہے یہ تھی کہ اوس نے تبریز کے ایک ہزار اعلےٰ درجہ کے صناع اور مختلف پیشہ ور قسطنطنیہ بھیجدیئے اور اون کو مکانات اور کارخانوں کے لئے ضروری سرمایہ عطاکرکے وہاں آباد کردیا۔ تبریز کے معمار۔ نقاش۔ پارچہ باف اور آہنگر و زرگر وغیرہ قدیم سے شہرہ آفاق تھے۔ اور قاہرہ۔ دمشق۔ اور ونیس اور تمام دیگر ایسے شہر جن میں اعلےٰ درجہ کی صناعی ہوتی تھی انہی لوگوں کے مرہون منت تھے۔ جن میں سے اکثر نے ان شہروں میں جاکر اونکی رونق بڑھائی۔ سلیم نے تبریز میں آٹھ روز قیام کیا۔ میرزا بدیع الزمان جو امیر تیمور کی اولاد سے تھا اوسے ملنے کے لئے آیا۔ سلطان نے اوسکی نہایت عزت و تکریم کی۔ تبریز سے سلیم قرہ باغ کی طرف بڑھا۔ اوس کا ارادہ تھا کہ آذربائیجانوں کے میدانوں میں موسم سرما بسر کرکے آئندہ بہار میں پھر فتوحات کا سلسلہ شروع کیا جاوے۔ مگر فوج محنت ہائے شاقہ اور اپنے بال بچوں کی مہجوری طویل سے اب کی دفعہ ایسی بگڑی کہ سلطان کو اسکندر فیلقوس کی طرح مجبوراً اپنی فاتح مگر سرکش فوج کو لے کر وطن کی طرف ہٹنا پڑا۔ لیکن وہ روا روی قسطنطنیہ کو نہ ہٹا۔ بلکہ موسم سرما اماسیہ اور کوماخ میں بسر کیا۔ مراجعت سے پہلے جب فوج کے ساتھ اوسکی کوئی پیش نہ گئی تو کئی افسروں کو معزول اور بعض کو قتل کرکے اپنا غصہ سرد کیا۔ موسم سرما میں اسمٰعیل نے چار ایلچیوں کے ہاتھ تحائف بیش قیمت بھیجکر اپنی بیگم کو سلطان سے بمنت طلب کیا۔ مگر سلیم کو اوس سے ایسی

نفرت اور ضد تھی کہ سفیروں کو قید میں ڈال کر اسیر بیگم کی شادی ایک سپاہی جعفر چلپی کے ساتھ کردی موسم
بہار کے آنے پر سلیم نے پھر فوجکشی اختیار کی اور جارجیا و آرمینیا کے کئی مضبوط قلعے فتح کر کے اپنی ایشیائی
ممالک کی شمالی سرحد کو محفوظ اور ساتھ ہی کوہ قاف کے وحشی قبائل پر اپنا سکہ بٹھا کر عثمانی مقبوضات کو وسیع
کیا۔ سلیم ان فتوحات کے سلسلہ کو بذات خود زیادہ عرصہ کے لئے قائم نہ رکھ سکا قسطنطنیہ میں ینگچری فوج نے
خودسری کر کے صدر اعظم کے مکان کو لوٹ لیا۔ اور شہر میں طوفان بے تمیزی برپا کر دیا۔ سلیم یہ خبر
سنتے ہی فوج کی کمان بقلو محمد پاشا کو دیکر اسلامبول کو چلا گیا اور وہاں جا کر مجرمین کو کیفر کردار کو پہنچایا سلطان
کے بعد بقلو محمد نے کردستان کا تمام صوبہ فتح کر لیا۔ کرد خلفاء عباسیہ کے وقت سے پکے سنت جماعت
تھے۔ اور اونکو شیعوں کی حکومت سخت ناگوار تھی جنگ خالدرین کے بعد اس قوم نے سلیم کی صلاح و مشورہ
سے یکبارگی رہیدہ۔ بطلس اور دیار بکر میں بغاوت کردی۔ ایرانیوں نے دیار بکر کا محاصرہ پندرہ مہینوں
تک کیا۔ اتنے میں بقلو پاشا نے پہنچکر محاصرین کو بھگا دیا۔ اور پھر کردوں کو ساتھ لے کر قصبہ ماردین کو
جو قوت عثمانی سلطنت میں سب سے مضبوط مقام ہے۔ بلا مزاحمت فتح کیا۔ مگر قلعہ ایرانیوں کے ہی
پاس رہا۔ اور اسمٰعیل نے محصورین کی کمک کے لئے لشکر جرار بھیجدیا۔ ترکی فوج نے مقام موضع کرغان دیدی
جو کوش حسان کے قدیم شہر سے بجانب شرق ہے اوسکا مقابلہ کیا۔ ایرانی کمال دلاوری سے لڑے۔ مگر
سردار کے مارے جانیسے اونکی ہمتیں پست ہو گئیں۔ ترکوں نے اون کو میدان سے بھگا دیا اور تعاقب کر کے
ہزاروں ایرانیوں کو تہ تیغ کیا۔ ماردین کا قلعہ اس فتح سے بعد بھی کچھ عرصہ غیر مفتوح رہا۔ آخر ترکوں نے حملہ کر کے
اوسکو فتح کر لیا اور محافظین کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد کردستان کے باقی تمام مقام اور شہر قصبہ تربین کی تقلید
میں جو ردین اور بار تھیا والوں کے محاربوں کی وجہ سے بہت مشہور رہے۔ خود بخود عثمانیوں کے تصرف
میں آگئے۔ صوبہ میسوپوتیمیا دالجزائر۔ یعنی دوآبہ مابین دجلہ و فرات، کا شمالی حصہ بھی ترکی حکومت میں داخل
ہو گیا۔ ان ممالک کو کامل طور پر مطیع کرنے میں جسقدر حصہ بقلو محمد پاشا کی جنگی قابلیت نے لیا اوسی کے برابر
شیخ ادریس کی مدبرانہ لیاقت کا بھی ہے۔ ان کو سلطان سلیم نے اپنا ایلچی بنا کر کرد قبائل کے سرداروں کے پاس
بھیجا تھا۔ جن کو وہ اپنی حسن لیاقت سے اپنے ڈھب پر لے آئے جب یہ وسیع و زرخیز علاقے ممالک محروسہ میں
داخل ہو گئے۔ تو سلطان نے انکا جدید نظم و نسق اور ملکی و مالی انتظام بھی شیخ موصوف کو سپرد کر دیا۔ اور جس
خوبی کے ساتھ وہ اس فرض سے سبکدوش ہوئے۔ اوسکے آجتک اہل مؤرخ معترف ہیں شاہ اسمٰعیل نے
اسکے بعد پھر کئی دفعہ سلیم سے صلح کر لینی چاہی۔ لیکن سلطان نے منظور نہ کیا۔ اور جبتک زندہ رہا اسمٰعیل کیساتھ
ترکوں کی برابر لڑائی رہی جسمیں گو وہ اکثر ناکامیاب ہوتا رہا۔ مگر بہر نوع اوسنے اپنی مملکت کا بہت سا حصہ

عثمانیوں سے بچالیا جسکی وجہ بہت کچھ یہ ہوسکتی ہے کہ سلیم نے خالدین کی لڑائی کے بعد پھر دوبارہ اپنی کل طاقت سے ایران پر فوجکشی نہ کی اور نہ خود پھر کبھی ایران پر حملہ آور ہوا۔ اوسکی توجہ جلدی ہی مصر اور شام کے زرخیز صوبوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔ یہ پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ ان صوبوں پر اسوقت مملوک خاندان حکمران تھا اس موقعہ پر انکے کسی قدر مفصل حالات درج کردینے شائد نامناسب نہ ہونگے۔ مملوک کے لفظی معنے غلام کے ہیں۔ ہندوستان میں بھی خاندان غلامان حکمران رہچکا ہے۔ مگر اوسمیں فقط پہلے دو بادشاہ غلام تھے باقیماندہ سلطان شمس الدین کی نسل سے تھے اور مصر کا حکمران خاندان غلامان میں ہر بادشاہ غلاموں کے زمرہ سے منتخب ہوتا تھا۔ سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے بھائی کے پرپوتہ ملک الصالح نے جو خاندان ایوبیہ کا ساتواں بادشاہ تھا۔ دیگر رقیبوں کے خوف سے تیرھویں صدی کے وسط میں یعنی ینگچری فوج کے قیام سے ایک سوبرس پہلے بارہ ہزار غلام خرید کر جن میں سے اکثر ممالک کوہ قاف کے رہنے والے تھے شاہی حفاظت کیلئے آہنی فوج پیدل قایم کی جسکا نام فوج مملوک رکھاگیا۔ تھوڑی مدت کی تربیت و قواعد سے یہ نہائت زبردست فوج بنگئی۔ اور جبتک ملک الصالح زندہ رہا۔ مملوک اوسکی خالص وفاداری سے خدمتگزاری کرتے رہے۔ یورپ کے عیسائی سلطان صلاح الدین فاتح کے بعد بھی ارض مقدس کو حاصل کرنیکے لئے متواتر کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ ملک الصالح کے زمانہ میں فرانس کے بادشاہ لوئیس نہم نے جسے فرانسیسی لی لوئیس پکارتے ہیں مصر پر حملہ آور ہوکر سنہ ۱۲۵۹ء میں دمیاط وغیرہ بنادر کو فتح کرلیا۔ مگر جلدی ہی ملک الصالح کی جدید فوج مملوک نے ترکی جرنیل بیبرز کے ماتحت منصورہ کے میدان میں عیسائیوں کو شکست فاش دیکر وہاں سے نکال دیا اور شاہ مذکور کو گرفتار کرلیا۔ انہی دنوں ملک صالح مرگیا۔ دو مہینے اوسکا بیٹا حکمران رہا۔ بعد ازاں ملک صالح کی مشہور آفاق کنیزک ملکہ شجرۃ الدر اوسکو معزول کرکے تخت شاہی پر رونق افروز ہوگئی۔ لیکن اس کے تخت پر بیٹھتے ہی ترکی مملوک سرداروں میں جنکی طاقت و حشمت کمال کو پہنچگئی تھی.... باہمی نزاع شروع ہوگئی جسپر یہ عقلمند و فرزانہ ملکہ تین مہینے جہانبانی کرنے کے بعد تاج و تخت ملک الاشرف موسیٰ کو سونپ کر گوشہ نشین ہوگئی۔ ملک الاشرف برائے نام پانچ برس تک بادشاہی کرنیکے بعد تخت سے اتار دیا گیا۔ جسکے ساتھ ہی خاندان ایوبیہ کی حکومت جو اسی برس ہی ختم ہوگئی۔ اور مملوکوں نے اپنی جماعت میں سے ملک المعز عزالدین ایبک ترکمانی صالحی سنہ ۱۲۵۰ء مطابق سنہ ۶۴۸ ہجری میں تخت پر بٹھلاکر خاندان مملوک کی حکومت کا سلسلہ شروع کیا جو اڑھائی سو برس تک مصر پر کامل خود مختار اور چھ سو برس تک جزوی طور پر حکمران رہا۔ یہ وہ بہادروں کی جماعت تھی جس نے سلیم اور نپولین بوناپارٹ ایسے فاتحان جہان کی زبان سے اپنی تعریف و شجاعت کا اعتراف کرایا۔ اور جس کا اقتدار قطعی طور پر اس انیسویں صدی میں محمد علی پاشا اول خدیو مصر کی ابلیسانہ غداری و بے ایمانی سے زائل ہوا

جس نے قاہرہ کے قلعہ میں ضیافت کرکے ان بہادروں کی اولاد کو کمال بیدردی سے تہ تیغ کرا دیا - یہ لوگ جنکو مصر و شام کے امراء سمجھنا چاہئے - کبھی مصری یا شامی کو اپنی جماعت میں داخل نکرتے تھے - وہ خود بھی غلام تھے اور سوائے غلاموں کے اور کسی کو داخل بھی نہ کرتے تھے - خاندان غلامان کے دو فرقے گذرے ہیں - پہلے مملوک سلاطین بحریہ کہلاتے تھے - انہوں کو مصر کو فتح کرکے ممالک محروسہ میں شامل کیا فراعنہ کے زمانہ سے لیکر نپولین بلکہ محمد علی پاشا کے وقت تک مصر کے تمام فرمانرواؤں نے شام کا تسلط اپنے ملک کی حفاظت کے لئے ضروری سمجھا ہے - سنہ ۱۳۸۲ء میں ملک الظاہر برقوق نے خاندان بحریہ یا ترکیہ کے آخری سلطان ملک صالح حاجی بن اشرف کو معزول کرکے چرکسی یا گرجیہ مملوکوں کے خاندان میں حکومت قایم کی جو سلیم کے حملہ کیوقت تک رہی - اسوقت مملوکوں کی فوج تین درجوں پر منقسم تھی - یہ کل فوج سواروں کی تھی - مگر ہر ایک درجہ بلحاظ اسلحہ و شان و شوکت اور خود سواروں کے حسب و نسب کے ایک دوسرے سے مختلف تھا - پہلا دستہ خود مملوکوں کا تھا جو سب کے سب خالص چرکسی الاصل اور در اصل زرخرید غلام ہوتے تھے - دوسرا دستہ جلبانوں کا تھا - یہ بھی غلام تھے - مگر حبشی اور سوڈانی الاصل - تیسرا دستہ جو سب سے کم رتبہ تھا قورصان کہلاتا تھا - اس میں دنیا کی تمام دیگر قوموں کے تنخواہدار سپاہی بھرتی ہوتے تھے - اس خاندان نے اپنی شجاعت و مردانگی سے نہ فقط مصر اور شام کو مغلوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا - بلکہ عیسائی حملہ آوروں کو بھی متواتر شکستیں دیکر ارض مقدس کو اونکی دست برد سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا - مصری علاقہ کا دار الخلافہ قاہرہ[1] اور شام کا دار الخلافہ دمشق بنایا - جو اپنی عالیشان عمارتوں اور دلکش اور منفیہ جوامع کے لئے اسی خاندان کے ممنون احسان ہیں - یہ لوگ گو بظاہر بڑے اکھڑ اور دشمنوں کے لئے وبال جان تھے - مگر بڑے درجہ کے ہنر پرور - علم دوست اور فنون لطیفہ کے بیحد دلدادہ و شیدا تھے - خلفائے عباسیہ انہی کی زیر حمایت مصر میں امن و امان سے زندگی بسر کر رہے تھے جنکو وہ گویا ایک طرح سے نظر بند رکھتے تھے - مگر بظاہر اونکی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے اور اونکو حضرت سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جانشین تصور کرتے تھے - اونکی حالت بعینہٖ موجودہ پوپوں کی طرح تھی - جو روما میں کوئی دنیاوی اقتدار نہیں رکھتے تھے - مگر رومن کیتھولک کے برابر مذہبی مقتدا ہیں یہ خلفاء بھی قاہرہ میں دنیاوی حکومت تو مطلقاً نہیں یا بہت کم رکھتے تھے - لیکن جس طرح پوپوں کے فرمان

---

[1] ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے کہ اس شہر کو عبداللہ ابن سبا یہودی بانی خاندان خلافت فاطمیہ اسمٰعیلیہ مصر کے پرپوتے کے بیٹے المعزلدین اللہ نے مغربی افریقہ اور مصر سے غالیہ اور ادریسیہ خاندانوں کی حکومت کو زائل کرکے مصر کے قدیم دار الخلافہ فسطاط کے قریب آباد کیا - مگر ایک ایشیائی مؤرخ المعزلدین اللہ کے بیٹے العزیز باللہ کو جو ۳۶۵ھ ہجری میں تخت مصر پر متمکن ہوا - قاہرہ اور وہاں کی مشہور جامع مسجد الازہر کا بانی بتلاتا ہے - عبداللہ ابن سبا کے حالات کو اسی موقعہ پر

رومن کیتھولک واجب التعمیل سمجھتے ہیں۔ اوسی طرح اون کے احکام کی تعمیل کی جاتی تھی۔
سلیم کے مصر پر حملہ آور ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اس منصب کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس ارادہ کے فوراً عمل میں لائے جانیکی تحریک شاہ ایران اور سلطان مصر کے باہمی اتحاد سے پیدا ہوئی۔ مملوکوں پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۳) درج کردینا شاید نامناسب نہ ہوگا۔ فرقہ اسمعیلیہ فاطمیہ کا بانی عبداللہ ابن سبا یہودی باشندہ شہر اہواز صوبہ خورستان ملک فارس کا تھا۔ جب عربوں نے فارس کو فتح کیا وہ بھی بظاہر مسلمان ہوا مگر دل سے دلی دشمن اہل اسلام کا تھا اُس نے چاہا کہ کسی طرح مسلمانوں کے آپس میں کسی نئے مذہب کے ایجاد سے تفرقہ ڈالے اور اُس تفرقہ میں خود دولت و حکومت حاصل کرے۔ آخر اُس نے یہ موقع پایا کہ جب امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دو بیٹوں اسمٰعیل و موسیٰ کاظم میں سے اسمٰعیل بڑے بیٹے کو امامت سے محروم کرکے چھوٹے بیٹے موسیٰ کاظم کو عہدہ امامت کا بخشا تو اسمٰعیل نے باپ کے برخلاف ہوکر علحدہ دعویٰ امامت کا کیا اور بہت سی خلقت اپنے مطیع کرلی تو عبداللہ ابن سبا بھی اسمٰعیلی فرقہ کا داعی مقرر ہوا۔ اس نے ایک کتاب سات باب میں تصنیف کی اور ایک مکان سات درجہ کا تعمیر کیا جو کوئی اوس مذہب میں داخل ہوتا اوسکو گھر کے ایک ایک درجہ میں کتاب کے ایک ایک باب کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس مذہب کے طالب کو تاکید حلفاً کی جاتی تھی کہ وہ راز اس مذہب کی تعلیم کا کسی کے روبرو ظاہر نہ کرے۔ چنانچہ وہ کبھی ظاہر نہیں کرتا تھا خلاصہ اُس مذہب کا یہ تھا کہ خلافت و امامت کا حق بنی فاطمہ کو پہنچتا ہے یہ خلفاء تمام سرزمین کی حکومت کے مستحق ہیں۔ خداتعالےٰ نے مذہب حق اپنے امام کے ذریعہ سے تمام زمانہ میں پھیلایا ہے اور امامت منحصر سات اماموں علیؑ حسنؑ حسینؑ علیؑ باقرؑ جعفرؑ و اسمٰعیل پر ہے۔ ساتواں خلیفہ اسمٰعیل سب سے بڑا مرتبہ میں تھا جس طرح پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے مدارج میں اعلےٰ تھے خدا نے جسطرح سات آسمان پیدا کئے اور سات زمینیں اور سات ستارے اور سات ولایتیں سات روز اسی طرح امام بھی سات ہیں۔ ساتویں امام اسمٰعیل پر امامت ختم ہوئی۔ یہ لوگ یعنی اسمٰعیلی لوگ ان ساتوں اماموں کو صرف امام ہی نہیں جانتے تھے بلکہ اولوالعزم پیغمبر کہتے تھے اور اونکا دلی اعتقاد تھا کہ انپر وحی نازل ہوتی تھی۔ خاتم المرسلین و خاتم الائمہ اسمٰعیل بن جعفر صادق کو تصور کرتے تھے۔ سات درجہ کا مکان جو تعمیر ہوا تھا وسکے ہر ایک درجہ میں تفصیل ذیل تعلیم ہوتی تھی پہلے درجہ میں مبتدی کو قرآن کے مسائل پر شکوک اور شبہات کرنے اور مشکل دقیقے بتلانے شروع کئے جاتے تھے اور اونکے جوابات بھی اون کے ساتھ ہی سکھلائے جاتے تھے اور طالب مذہب سے حلف لیجاتی تھی کہ وہ ان مسائل کے مضامین کسی کے آگے ظاہر نہ کرے۔ دوسرے درجہ میں امامت کے معنی اور اوسکی خاصیت کہ وہ خدائی راز ہے بتلائی جاتی تھی۔ تیسرے درجہ میں تعداد اماموں کی کہ وہ سات ہیں۔ اور انپر وحی نازل ہوتی تھی اور یہ کہ ہر ایک امام نے اپنے پہلے امام کے مسائل منسوخ کردیئے۔ اور اسمٰعیل ساتواں امام سب سے بڑا رتبہ و مدارج میں تھا شاگرد کو تعلیم دیجاتی تھی۔ چوتھے درجہ میں یہ تعلیم ملتی تھی کہ ابتدائے پیدائش دنیا سے خدا تعالےٰ نے سات شارع پیدا کئے ہیں اور ان سب پر وحی نازل ہوتی رہی ہے اُن میں سے ہر ایک نے اپنے پہلے شارع کی شرع منسوخ کردی۔ یا تبدیل کردی اور وہ خالص پیغمبر تھے جو کچھ وہ کہتے تھے خدا کی مرضی کے موافق کہتے تھے اور ان ساتوں کو حکم بولنے کا تھا۔ اون کے

رہے یا سرداروں کی جماعت حاکم ہوتی تھی اور یہ لوگ اپنی جماعت میں سے ایک کو سلطان منتخب کر لیتے
تھے جو امیر الکبیر کہلاتا تھا۔ اور مصر و شام اور حجاز پر حکمران ہوتا تھا۔ مملوکوں اور عثمانیوں میں پہلی لڑائی جیسا کہ
اوپر لکھا جا چکا ہے سلطان بایزید کے زمانہ میں ہوئی تھی جس میں غلبہ مملوکوں کا رہا۔ مگر سلطان سلیم کے
تخت نشین ہونے پر اونکو صاف ظاہر ہو گیا کہ اب ترکوں کا مقابلہ بچوں کا کھیل نہیں ہوگا۔ ایران پر سلطان
کی چڑھائی کو وہ بڑی غور سے دیکھتے رہے اور امیر قانصوہ الغوری سلطان مصر نے جس کی دو جامع مساجد ابتک

(بقیہ حاشیہ۔) پچھے سات پیغمبر اور ہوئے ہیں جنکو بولنے کا حکم نہ تھا وہ خاموش پیغمبر گذرے ہیں جنکلم سات پیغمبر
یہ تھے۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسےٰؑ۔ محمدؐ۔ اسمٰعیل بن جعفر صادق اور سات پیغمبر یہ تھے شیث
سام۔ اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل اللہ۔ ہارونؑ۔ شمعونؑ۔ بطرسؑ۔ محمد بن اسمٰعیل بن جعفر۔ پانچویں درجہ میں تعلیم ہوتی تھی کہ
ہر ایک نے ان سات پیغمبروں سے بارہ بارہ اپنے شاگرد یا داعی مقرر کئے تھے تاکہ وہ مذہب حق کی تعلیم زمانہ کو دیں اور بارہ شاگرد دونکا
رتبہ ان سات پیغمبروں سے درجہ دوم کا تھا۔ چھٹے درجہ میں یہ تعلیم ہوتی تھی کہ شاگرد کو چاہیے کہ اپنے معلم کو جان سے زیادہ عزیز رکھے
اوسکے حکم کو خدا کا حکم تصور کرے۔ ساتویں درجہ میں توحید الٰہی کی تعلیم ہوتی تھی خصوصاً وہ مسائل جو علم الٰہیات کے ہیں ان سات
درجوں کے علاوہ دو اور درجے تھے اونمیں سے ایک میں تو یہ سکھلایا جاتا تھا کہ افعال انسان کے غیر معتبر ہیں اونکا حسن و قبح سب ایجادی
اور اختراعی بات کا اعتبار نہ چاہئے۔ دوسرے میں یہ تعلیم ہوتی تھی کہ کسی بات کا اعتبار نہ کرو۔ کسی چیز پر یقین کو دخل نہ دو۔ سب کو
نیست و نابود سمجھو۔ صرف دین کے حاصل کرنے میں کوشش کرو۔ اور شیعہ امامیہ جو بارہ اماموں کی امامت کے معتقد ہیں یہ فرقہ
اونکے برخلاف تھا صرف سات امام مذکورین کو امام بلکہ پیغمبر جانتے تھے موسیٰ کاظم بن جعفر صادق اسمٰعیل کے بھائی کے ساتھ
اس فرقہ کی عداوت تھی۔ اسواسطے ان کا خطاب فرقہ سبعیہ قرار پایا تھا۔ فرقہ اہل سنت و جماعت ان کو ملاحدہ کہتے تھے۔ اور
ایک شاخ اس فرقہ کی شیعہ ششش پرست تھے وہ صرف علی اور حسن اور حسین اور علی اور باقر اور جعفر چھ اماموں کو امام جانتے تھے۔ اور
کہتے تھے کہ امام جعفر پر امامت ختم ہوئی۔ اسمٰعیل یا موسیٰ کاظم کو امامت حاصل نہیں ہوئی۔ عبداللہ نے جب۔ اس مذہب کے مسائل
بخوبی جاری کئے اور ہزاروں آدمی اپنے مذہب میں داخل کر لئے تو اپنا خطاب اُس نے مہدی مقرر کیا۔ ابو عبداللہ نے پہلے پہل
بغاوت کا جھنڈا شمالی علاقہ افریقہ میں کھڑا کیا اور دعویٰ کیا کہ میں اصلی اور حقیقی وارث علیؓ اور فاطمہؓ کا ہوں اور مہدی میرا خطاب ہے
پس جو میری پیروی کریگا نجات پائیگا اور جو منکر ہوگا دوزخ میں بھیجا جائیگا۔ ہزاروں آدمی اس کے پیرو و مرید اسوقت
اسکے ہمراہ تھے۔ اور اُس نے بہت سا ملک اپنی تحت حکومت میں کر کے قیروان شہر کو دار الحکومت بنایا اور حکم دیا کہ ایک نیا شہر
آباد ہو کر اوسکا نام مہدیہ رکھا جائے۔ جب وہ آباد ہوا تو دار الخلافت وہ قائم ہوا۔ کسی قدر مدت تک ابو عبداللہ کی حکومت قائم رہی
اوس نے ابو القاسم محمد ہمیلی کو ولیعہد کیا۔ اس کے بعد چودہ فرمانروا اس خاندان کے مصر پر حاکم رہے آخری اسماعیلی خلیفہ کو
صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے چچا اسد الدین شیرکوہ نے معزول کر کے خاندان ایوبیہ کی حکومت قائم کی۔

قاہرہ کے بڑے بازار میں اوسکی یادگار باقی ہیں۔ ۱۵۱۶ء میں شام کے شمال میں ایک زبردست فوج بظاہر نگران حال رہنے، اور دراصل موقعہ مناسب پر حملہ آور ہونے کے لئے جمع کردی۔ سنان پاشا نے جو ایشیا کوچک کے جنوب مشرق میں عثمانیہ افواج کا سپہ سالار تھا۔ سلطان سلیم کو اطلاع دی کہ میں اس خوف سے کہ مبادا مملوک میرے لشکر کے عقب یا پہلو پر حملہ کردیں۔ سلطان کے حسب ارشاد فرات کی طرف نہیں بڑھ سکتا۔ سلیم نے فوراً قسطنطنیہ میں دیوان وزراء و اعیان دولت کو جمع کرکے مصر پر فوجکشی کرنے کے معاملہ پر غور کیا۔ سلطان کے میر منشی محمد نے جو علمی قابلیت اور اعلیٰ لیاقت کی وجہ سے نہائیت ممتاز تھا۔ اور سلیم نے اپنی علم دوستی سے کام لیکر اوسکو انہی اوصاف کی وجہ سے اس جلیل القدر عہدہ پر سرفراز کر رکھا تھا پُر زور تقریر میں لڑائی کی تائید کی اور بیان کیا کہ عثمانیوں کے سلطان کی عزت و منزلت اس امر کی سخت متقاضی ہے کہ فتح کے ذریعہ سے حرمین شریفین کی حکومت حاصل کی جائے۔ سلطان اپنے پیارے منشی کی حسب منشا تقریر سے ایسا خوش ہوا کہ اوسیوقت اوسکو وزیر کا عہدہ عطا کردیا۔ محمد نے پہلے انکار کیا۔ مگر سلیم نے خود جابک ہاتھ میں لیکر جب میر منشی کے تلووں کو سہلا دیا تو اوس ہمارے منکسر مزاج عالم نے بڑی خوشی سے سلطانی عطیہ کو منظور کرلیا جب فوجکشی کا عزم مصمم ہوگیا تو سلیم نے بروئے احکام شریعت امیر مصر کو مطیع ہونے کی دعوت کرنیکے لئے دو سفیر اوسکے پاس روانہ کئے۔ اور ادھر اونکی واپسی کا انتظار کئے بغیر جنگی تیاریوں کو مکمل کرنیکے لئے اونکے ساتھ ہی قسطنطنیہ سے روانہ ہوگیا۔ اور جس فوج سے مصر پر حملہ کرنا تھا اوسکو خود اپنی کمان میں لے لیا۔

جب سلیم کے سفیر قانصو کے پاس پہنچے اسوقت وہ حلب میں تھا۔ جس نے نہ فقط انسانیت بلکہ شریعت و شرافت کے برخلاف کمال سفاہت سے سلطانی سفیروں کو بیحرمت کرکے قید میں ڈالدیا۔ مگر جب عثمانی لشکر قریب پہنچ گیا تو سفیروں کو رہا کرکے صلح صفائی کی گفتگو کا سلسلہ قائم کرنا چاہا۔ لیکن اس کا موقعہ گذر چکا تھا۔ فریقین میں پہلی لڑائی جس نے شام کی قسمت کا فیصلہ کیا بتاریخ ۲۴ اگست ۱۵۱۶ء حلب کے نزدیک مرج دابق[1] کے میدان میں ہوئی۔

مملوکوں کی باہمی پھوٹ اور ترکی توپخانہ کی مدد سے سلیم کو غنیم پر آسانی سے فتح حاصل ہوگئی۔ اور پیرانہ سال سلطان غوری ضعف شکستہ دلی۔ اور غم و غصہ سے بقول بعض بھاگنے کی اور بقول بعض لڑائی کے گھمسان میں اپنی بھاگتی ہوئی فوج کو مجتمع کرنے کی کوشش کرتا ہوا اس جہان سے رخصت ہوگیا۔ مملوکوں نے اوسکی جگہ بہادر بے بدل۔ شریف النفس اور فیاض طبع طومان بے کو اپنا امیر کبیر منتخب کیا۔ مملوکوں کے حوصلے اس شکست سے ذرہ بھر پست نہ ہوئے تھے۔ وہ عثمانیوں کو ذاتی بہادری اور جنگی مہارت میں اپنا مقابل نہیں خیال کرتے تھے تاہم شکست

[1] مسلمانوں کا خیال ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کی قبر اسی میدان میں ہے ۱۲ مؤلف

کی بھاگڑ۔ سلطان کی وفات۔ اور نئے سلطان کے انتخاب کے لئے باقیماندہ بڑے بڑے سرداروں کے قاہرہ کو چلے جانے سے سلطان سلیم کو حلب، عین تاب، ملیشیا، دمشق، یروشلیم اور تمام شامی قصبات بلامزاحمت فتح کر لینے کا موقعہ ملگیا۔ حلب میں سلطان خاتج کو دیگر غنیمت کے علاوہ دس لاکھ ڈیوکٹ[1] نقد ملے۔ اُس نے اِس صوبہ میں چار مہینے قیام کرکے یہاں کا نظم ونسق درست کیا۔ امراء عرب سے ملاقات کرکے اونکو اپنا طرفدار بنایا اور زیارات متبرکہ کے دیکھنے کے لئے کوہ لبنان کو بھی گیا۔ دمشق کی مشہور جامع اموی کے خطیب کو پچاس ہزار قرش کا خلعت بخشا۔ یہ مسجد ولید بن عبدالملک مروانی ششم اموی خلیفہ نے تیس لاکھ دینار کے صرف سے تعمیر کی تھی۔ اسکا طول پانسو پچاس قدم اور عرض ایک سو پچاس قدم ہے۔ اسکے ستون سنگ سماق کے ہیں۔ چھ سو قندیلیں ہر وقت طلائی اور نقرئی زنجیروں سے چھت سے آویزان رہتیں۔ رمضان میں جنکی تعداد بارہ ہزار ہو جاتی تھی۔ چار محراب چاروں مذاہب کے اماموں کے لئے ہیں۔ اس مسجد کے تین محراب بہت بلند ہیں جنپر چھبتر مؤذن مامور ہوتے تھے۔ اِس مسجد کو کئی دفعہ سلاطین مابعد نے بصرف زرِ خطیر مرمت کرایا۔ ۱۸۹۶ء میں بھی یہ کسی قدر مرمت طلب ہو گئی تھی۔ اہالی دمشق نے لاکھوں روپیہ خود چندہ کرکے اسکی درستی کرادی۔

مملوک جب امیر کے انتخاب سے فارغ ہوئے تو نئے سلطان نے حملہ آوروں کو مصر میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے صحرا سے پار مصر اور شام کے سرحدی قلعہ غزا پر ایک جرار فوج غزالی کے زیر کمان روانہ کی۔ سُلطان سلیم جب شام کے انتظام سے فارغ ہوا تو حسب معمول دوراندیشی سے کام لیکر اوس صحرا لق ودق کے عبور کرنیکے لئے جو شام کے آباد حصہ سے لیکر عین قاہرہ کی فصیلوں تک چلا گیا ہے ہزاروں اونٹ خرید کر لشکر کے لئے اونپر پانی لادلیا۔ اور فوج کو انعام فراواں عطا کرکے اوسکا حوصلہ بڑھادیا۔ اور ہراول کی فوج پر سنان پاشا کو جو اب وزیر اعظم تھا مقرر کرکے آگے روانہ کیا۔ اُس نے بمقام غزا مملوکوں کو شکست فاش دیکر اون کو توپخانہ سے بھون ڈالا۔ اس فتح کے بعد کل ترکی فوج صحرا کو دس دن میں عبور کرکے قاہرہ کے قریب پہنچ گئی۔ طومان بے کی فوج موضع رضوانیہ میں جو شام ومصر کے شاہراہ پر قاہرہ کے قریب واقع ہے خیمہ زن تھی۔ دونوں فوجوں میں بتاریخ ۲۲ جنوری ۱۵۱۷ء اس مقام پر فیصلہ کُن لڑائی ہوئی۔ طومان بے کا ارادہ تھا کہ جب ترکی لشکر کوچ پر ہو پہلو پر سے اوسپر حملہ کرکے اوسکو تباہ کردے۔ مگر اوسکے دو بڑے سرداران غزالی بے اور خیری بے کی غداری سے اس کی خبر سلیم کو ملگئی۔ اور طومان اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اور اوسکو ایسے موقعہ پر جنگ کرنا پڑا جو اسکے لئے بہت کچھ غیر مفید تھا۔ مگر پھر بھی مملوکوں نے ایسی شجاعت دکھلائی کہ رضوانیہ کے محاربہ سے پہلے کبھی نہیں

---

[1] یہ سکہ پرانے زمانوں میں یورپ کے اکثر ممالک میں مروج تھا۔ چاندی کا ڈیوکٹ مالیت میں ۴½ شلنگ اور طلائی ۹ شلنگ یعنی آجکل کے نرخ کے مطابق معمر روپیہ کا ہوتا تھا۔ مؤلف۔

دکھائی تھی۔ معرکہ شروع ہی ہُوا تھا کہ مملوک شہ سواروں کی ایک جماعت جو سر سے پاؤں تک فولاد میں غرق تھی خود طومان بے اور اوسکے دو قابل ترین کپتانوں آلان بے اور قرطبے کے زیر کمان مصری فوج کے یسار سے نکل کر عثمانیہ فوج کے عین قلب پر جہاں خود سلیم موجود اور اوسکا جھنڈا لہرا رہا تھا سلیم کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنے کی قسم کھا کر حملہ آور ہوئی۔ اور وہ بیشک اپنے مدعا میں کامیاب ہو جاتے۔ مگر انہوں نے غلطی سے سنان پاشا کو جو اسوقت قلب لشکر میں عثمانیہ فوج کے اعلےٰ افسروں کے حلقہ میں کھڑا تھا سلیم سمجھ لیا۔ طومان بے نے سنان کو پے در پے نوک سنان سے چھلنی بنا دیا۔ آلان بے اور قرطبے (لفظی معنی بھیڑیا) بے نے بجائے خود ایک ایک پاشا کو قتل کیا۔ اور پھر فی الفور اپنے برق رفتار رہواروں کی عنان موڑ کر بہادر مملوک اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔ آلان بے واپسی کے وقت گولی سے زخمی ہُوا۔ اور سب بلوہ بچکر نکل آئے۔ سوائے اون مملوکوں کے جنپر غدار سرداروں کا جادو چل گیا تھا باقی مملوک بھی اپنے اپنے بہادر سرداروں کے ماتحت ایسی ہی دلاوری سے غنیم پر حملہ آور ہوئے۔ مگر عثمانیہ توپخانہ کے مقابلہ میں اس شاندار کیولری (فوج سواران) کی کوششیں اور بتے ویسے ہی بیکار تھے جیسے کہ اٹھارویں صدی کے اخیر میں ان بہادروں کی اولاد اور جانشینوں کے حملے نپولین کی فوج پیدل کے مربعوں دھواں دھار باڑھوں اور گولیوں موسلا دھار بارش کے سامنے بیکار ثابت ہوئے۔ طومان بے اپنے شہ سواروں کے حصہ قلیل کو لے کر مقام عضو بیہ کی طرف بھاگ گیا۔ اور پچیس ہزار مملوک رضوانیہ کے میدان میں کھیت رہے۔

سلیم نے فوج کا ایک ستہ قاہرہ پر قبضہ کرنیکے لئے روانہ کیا جو لڑائی سے ساتویں دن بلا مزاحمت شہر میں داخل ہو گیا۔ مگر بہادر طومان اپنی پراگندہ جمعیت کو پھر درست کر کے اچانک اس فوج پر آ پڑا۔ اور اونمیں سے ایک کو زندہ نہ چھوڑا سلیم نے خبر ملتے ہی فوج کا چیدہ حصہ شہر کو پھر فتح کرنیکے لئے روانہ کیا۔ قاہرہ کے گرد کوئی فصیل یا مورچہ وغیرہ نہ تھا لیکن اب کی دفعہ حملہ آوروں نے ہر ایک کوچہ و بازار کو مورچہ بند اور ہر ایک مکان کو قلعہ پایا۔ کوچہ و بازار میں تین دن تک معرکہ کارزار گرم رہا جسمیں فریقین ہزاروں کی تعداد میں قتل ہوئے۔ آخرکار سلیم نے خیری بے کی صلاح سے عام اعلان کر دیا کہ جو مملوک ہتیار رکھدیگا اوسکی جان بخشی جائیگی۔ اس اعلان کے شائع ہونے پر لڑائی تھم گئی اور آٹھ سو سرغنہ مملوک بطیب خاطر اسلحہ رکھکر سلطانی فوج میں چلے آئے۔ سلیم نے ان سب کو قتل کرا کر شہر میں قتل عام کا حکم دیدیا جسمیں پچاس ہزار جانیں ضائع ہوئیں۔ قرطبے کچھ عرصہ کیلئے شہر میں چھپا رہا۔ لیکن آخر سلطان نے جان بخشی کا وعدہ کر کے اوسے اپنے سامنے بلا لیا سلیم اور قرطبے میں فتح و شکست کے متعلق تھوڑی دیر مکالمہ ہوتا رہا۔ قرطبے نے کہا کہ تم عثمانی ہمت بہادر نہیں ہو۔ تم نے محض ان بندوقوں کے طفیل جو بزدلوں اور نامردوں کا ہتیار ہے ہم پر فتح پائی ہے۔ ملک الاشرف غوری کے زمانہ میں

ایک فرنگی پہلے پہل ہمارے پاس یہ وینس والوں کی گولیاں (ملوک بندوق کی گولی اور توپ کے گولہ کو بندقیہ یعنی اہالی وینس کی گولیاں کہتے تھے) لایا تھا۔ سلطان اور اوسکے امراء نے انہیں سچے شجاعوں کا اسلحہ نہ سمجھ کر مسترد کر دیا۔ اسپر اس فرنگی نے بصد اندوہ کہا تھا کہ "تم لوگوں میں سے کئی زندہ ہونگے جو انہی گولیوں سے اس سلطنت کو تباہ ہوتا دیکھینگے"۔ یہ گفتگو بڑھتے بڑھتے اسقدر تیز ہوگئی کہ قرط بے نے عین دربار میں خیر بے کو طعن کرنا شروع کر دیا۔ اس تمرد و گستاخی یا بیجا تہور و بیباکی کی سزا میں سلیم نے اوسکا سر فوراً قلم کرا دیا۔

طومان بے قاہرہ کی مکرر فتح کے بعد صحرا کی طرف بھاگ گیا۔ اور سابقہ دستور و رواج کے برخلاف عربوں کی فوج تیار کر کے پھر مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اور سلیم کے مختلف چھوٹے چھوٹے دستوں کو شکست دیکر بھگا دیا۔ سلیم نے اوسے کہلا بھیجا کہ اگر سلطنت عثمانیہ کا باجگذار ہونا قبول کر لو تو تاج بخشی کر دونگا۔ لیکن مملوک قاہرہ کے قتل عام اور قرط بے کی ہلاکت سے ایسے برافروختہ ہو رہے تھے کہ انہوں نے سلیم کے ایلچی مصطفےٰ پاشا اور اوسکے کل خدام کو قتل کر دیا سلیم نے اسکے عوض میں تین ہزار قیدیوں کے سر قلم کروا دیئے۔ اور طومان بے کی سرکوبی کے لئے فوج جرار روانہ کر دی فریقین میں مشہور اہرام مصری کے قریب معرکہ آرائی ہوئی۔ مگر طومان بے کے عرب اور مملوک سپاہی دشمن کا مقابلہ کرنے کی بجائے عین معرکہ میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے رہے۔ اور ترکی توپخانہ دونوں کی صفائی کرتا رہا۔ آخرش اوسکی فوج پراگندہ ہو گئی۔ اور وہ پناہ کے لئے ایک عرب سردار حسن مہری کے پاس جس پر اوسنے بہت احسان و کرم کئے ہوئے تھے چلا گیا۔ اس محسن کش نے طومان کو گرفتار کر کے سلیم کے پاس بھیجدیا۔ سلطان اس گرفتاری سے بہت خوش ہوا۔ اور اوسے اطمینان ہو گیا کہ اب مصر کامل طور پر فتح ہوا ہے۔ سلیم نے ابتداء میں تو طومان کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور اوسکو بہت عزت کے ساتھ رکھا۔ یہ امر خیر بے اور غزالی کو ناگوار تھا۔ انہوں نے سلطان کے دل میں شبہ ڈالدیا کہ اس شاہی اسیر کو آزاد کرانے کے لئے سازش ہو رہی ہے۔ اسپر سلطان نے طومان کو قتل کرا دیا۔ اور ۱۳ اپریل سنہ ۱۵۱۷ء کو بہادر وجری طومان آخری مملوک سلطان اس جہان ناپائیدار سے کوچ کر گیا۔ اور عثمانیہ اقتدار کی مخالفت کرنے والا کوئی رقیب مصر میں باقی نہ رہ گیا۔ مگر سلیم اسکے بعد بھی ملک کا انتظام کرنے کے لئے کئی مہینے وہاں مقیم رہا۔ اوس نے قاہرہ کی سرکاری عمارات اور جوامع مساجد کی سیر کی اور فتح کے بعد پہلے جمعہ کو کل جامع مسجد میں پھر نکلا۔ اور اوسدن اپنے انکسار اور اسلامی اخوت و مساوات کا عملی ثبوت کل دنیا کو دیا جس مسجد میں اوس نے نماز ادا کی وہاں خاص اوسکے لئے فرش پر نہایت بیش قیمت قالین اور جانماز بچھائے گئے۔ اوس نے اونکو فوراً اٹھوا دیا۔ اور کل دوسرے نمازیوں کی طرح احکم الحاکمین کی بارگاہ میں فرش زمین پر نہایت عجز والحاح سے پیشانی کو رگڑا۔ اور فرش کو آنسوؤں سے تر کر دیا۔ اوسنے خاندان فراعنہ وثومیان کے فرمانرواؤں کی تعمیر کردہ قدیم یادگاروں حتی کہ اہرام تک کی سیر کی۔

نو مفتوحہ ملک میں قاعدہ کی بات ہے کہ فی الفور امن قائم نہیں ہو جایا کرتا۔ اور لازمی طور پر کچھ عرصہ کے لئے رعایا کو سختی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ ادریس آفندی کردستان وغیرہ کے انتظام سے فارغ ہو کر سلطان کو مصر میں آملا۔ سلیم نے اوسکو دمیری کے رسالہ خواص الاشیاء کے ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ ادریس نے اس ترجمہ کے ساتھ ملک کی بدنظمی پر عربی زبان میں ایک نظم لکھکر لگادی اور حسب دستور سلطان کے روبرو پیش کرنے کو مسودہ وزراء کو دیا۔ وہ اس نظم کو دیکھکر بہت گھبرائے۔ اور ادریس سے التجا کی کہ اس کو کتاب سے نکال دے ورنہ ہماری شامت آجائیگی۔ اس غرض کے لئے انہوں نے ایک ہزار ڈیوکٹ بھی ادریس کو دینے چاہے مگر اس نے نہ مانا۔ اور خود مسودہ کو سلطان کے سامنے پیش کر کے وزراء کی کوتاہی کی شکایت کرنے کی دھمکی دی۔ آخرش وزیروں کو ماننا پڑا۔ اس وقت بہادر ادریس نے مسودہ کے ساتھ ایک خط بھی ٹانک دیا۔ جس میں سلیم سے درخواست کی کہ یا تو بدانتظامی اور بربادی کو جو چاروں طرف ملک میں پھیلی ہوئی ہے دور کراؤ یا مجھے قسطنطنیہ واپس بھیجدو۔

اگر سلطان کے مقابلہ میں سپہ سالار اس سے آدھی جسارت بھی کرتے تو وہ اسیوقت عالم بالا کو بھیجا دیئے جاتے۔ مگر وہ علم و ہنر کا سچا مربی اور دلدادہ تھا۔ اوس نے اس نامور مورخ کو عثمانیہ بیڑہ جہازات پر جو حسب الحکم سلطانی قسطنطنیہ سے آکر اسکندریہ کے بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا تھا۔ دارالخلافہ کو واپس بھیجدیا۔ واپسی کے وقت بیڑہ نے جزیرہ رہوڈس پر حملہ آور ہونے کی دھمکی دی۔ مگر حملہ نہ کیا۔ بیڑہ پر مال غنیمت کا بھی بہت سا حصہ استنبول کو بھیجا گیا۔

کمال پاشازادہ کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ یہ اناطولیہ (یعنی ایشیائی مقبوضات سلطانیہ) کا قاضی عسکر تھا۔ اور علمی قابلیت کی وجہ سے سلطان اسکو عزیز رکھتا تھا۔ سلیم فتح مصر کے بعد سودان اور حبش کیطرف بڑھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن ایرانی مہم کیطرح فوج وطن کی مہجوری طویلہ سے آزردہ ہو رہی تھی۔ کمال پاشا نے کمال دلیری سے سلطان کو فوج کی آزردگی سے مطلع کر کے نوبیا وغیرہ کی فتح کے ارادے سے باز رکھا۔ جب کبھی فوج سلطان کی مرضی پر چلنے سے انکار کر دے تو وہ عام سپاہیوں کو کبھی سزا نہیں دیتا تھا۔ بلکہ اونکا غصہ وزیروں اور افسروں پر نکالا کرتا تھا۔ علماء تو خواہ کیسی جرأت و جسارت کے مرتکب ہوں اوسکے غصہ سے کلیتاً محفوظ رہتے تھے۔ مصر سے شام کو واپس جاتے وقت سلیم نے یونس پاشا وزیر اعظم سے جو اوسکے ہمرکاب گھوڑے پر سوار جا رہا تھا کہا کہ "اب ہم نے مصر کیطرف پیٹھ کر دی ہے اور عنقریب غزا ہم کو نظر آنے لگ جائیگا"۔ یونس اس مہم کا ابتدا

۵۱ یہی معاملہ ایران کے بادشاہ کیمبی سز (جسے بعض بیاورش پسر کیخسرو اور بعض لہراسپ کا نام بتاتے ہیں) کو جو ۵۲۲ قبل مسیح میں فوت ہوا پیش آیا تھا۔ اوسکی فوج نے بھی مصر سے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ جسپر اُسے واپس آنا پڑا۔ مؤلف

سے مخالف تھا۔ اوسنے فوراً جوابدیا۔ اس تمام در دسر اور تردد کا نتیجہ کیا نکلا یہی کہ نصف فوج صحرا کے ریگستانوں یا جنگ کے میدانوں میں قتل کرائی۔ اور اب چند غداروں کی ایک جماعت کو مصر پر حاکم مقرر کر کے پیچھے پھرے جاتے ہیں۔ سلیم نے اس گستاخانہ جواب پر اپنے گارڈ کے سپاہیوں کو اوسے قتل کر دینے کا حکم دیا۔ اور یونس پاشا کا سر اوس سواری کی حالت میں اوڑا دیا گیا۔

مصر کے سابقہ فرمانرواؤں کی طرح سلیم کو بھی اس امر کا سخت تردد تھا کہ مصر پر کس طرح حکومت کیجائے شاہان ایران۔ قیصران روما۔ اور خلفائے دمشق کو ہمیشہ یہی اندیشہ رہتا تھا کہ یہ صوبہ کسی دن اپنی آزادی کا اعلان کر دیگا۔ مصر کے آخری فاتح نپولین[1] بوناپارٹ کا قول ہے کہ مصر دراصل کل عرب قوم کا صدر مقام ہے یہی اندیشہ سلیم کو تھا کہ کوئی بلند ہمت و بلند خیال پاشا جسے اسکی گورنری پر مامور کیا جائے مناسب موقعوں سے فائدہ اٹھا کر کہیں عربوں سے عثمانیوں کے برخلاف بغاوت نہ کرا دے۔ سلیم نے ملک کو مختلف صوبوں اور حصوں میں منقسم کر دیا مگر اس اندیشہ کی کافی روک تھام تصور نہ کیا۔ آخر ش عثمانیہ اقتدار کے قیام کیلئے اپنے حکومت کو ملک کی مختلف قوموں میں تقسیم کر دینا مناسب سمجھا۔ اسیلئے اوسنے مملوکوں کی نسل کو بھی غارت نہ کیا بلکہ اونکو زمانہ آیندہ میں بھی نابود ہونے سے بچانے کے لئے سرکیشیا سے غلام خرید کر اپنی جماعت کی تعداد کو پورا رکھنے کی اجازت دیدی۔ اس جماعت کے جن سرداروں نے اوسکو مدد دی تھی اُن میں سے ۲۴ آدمی منتخب کر کے مصر کے مختلف محکموں کے افسر اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ اور افسر غداران یعنی خیر بے کو کل ملک کا گورنر مقرر کیا۔ مگر اس امر کی کفالت میں کہ وہ کبھی خود سری نہ کر سکے سلیم نے اوسکی بیویوں اور اولاد کو قسطنطنیہ بھیجدیا۔ اور علاوہ بریں ترکی تسلط کو عملی طور پر قایم رکھنے کے لئے سلیم عثمانی آغا خیرالدین کو زیر کمان پانچہزار سپاہی (ترک سوار کو سپاہی کہتے ہیں) اور پانچسو ینگچری (یعنی باقاعدہ پیدل) مصر کے دارالخلافہ میں چھوڑ گیا۔ اور اس فوج کو حکم دیدیا کہ وہ کسی صورت میں قلعوں کو نہ چھوڑے۔ سلیم کے جانشینوں نے اس فوج کو کبھی تبدیل نہ کیا۔ اور نہ ٹرکی سے پھر کبھی تازہ فوج روانہ کی جس سے اسکے کمانڈروں کو تعداد پوری رکھنے کے لئے مصر کے باشندوں سے سپاہی بھرتی کرتے پڑتے۔ اور اسطرح یہ فوج بتدریج مصر کی ملیشیا (مقامی فوج) بنگئی۔ لیکن جسکو بہت بڑی مراعات حاصل تھیں۔ قانون اور مذہب کے متعلق انتظامی فرائض کا بہت بڑا حصہ سلیم نے عرب شیوخ کے سپرد کیا۔ جنکو باشندوں پر جو اونکی طرح زیادہ تر عرب نسل کے تھے بہت رسوخ حاصل تھا۔ ان لوگوں کا میلان طبع مذہبی خیالات کی موانست کی وجہ سے مملوکوں کی نسبت ترکوں

[1] نپولین بوناپارٹ نے جس نے ۱۷۹۸ء میں مصر کو فتح کیا تھا ایک سطر سے محمد علی پاشا کے بغاوت کر دینے کی جو ۱۸۱۱ء میں ہوئی تھی اسی وقت پیشین گوئی کر دی تھی۔

کی طرف زیادہ تھا۔ اور اونکی وجہ سے رعایا کو بھی ترکوں سے الفت ہو گئی۔ سلیم نے مصر کے اصلی باشندوں یعنی قبطیوں کے لئے جو عیسائی مذہب ہیں کوئی انتظام نہ کیا۔ مگر مملوک بے فتح سے پہلے اور بعد بھی عموماً انہی لوگوں اور یہودیوں کو محصل اور ایجنٹ مقرر کرتے رہے۔ اور اس طرح سے دیہات عموماً قبطی مقامی اہلکاروں کے زیر حکومت رہے۔

مملوک سلاطین حرمین شریفین کے محافظ بھی تھے۔ اِس فتح سے یہ منصب سلیم کو حاصل ہو گیا۔ وہ مذہب کا سخت پابند تھا۔ اور اس منصب کی جو عزت و حرمت اوسکی نگاہ میں ہوگی وہ بآسانی قیاس کیجا سکتی ہے۔ مگر اس سے صرف سلیم کو ہی نہیں بلکہ ہر ایک عثمانیہ سلطان کو تمام دنیا کے مسلمانوں پر خاص اقتدار حاصل ہو گیا ہے۔ جس اقتدار کو منصب خلافت کے حصول سے اور زیادہ تقویت مل گئی۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سنہ ۱۲۵۸ء میں جب ہلاکو خاں نے خلیفہ مستعصم باللہ کو ہلاک کر کے خلافت بغداد کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر معدوم کر دیا تو خاندان عباسیہ کا ایک شہزادہ مصر کو بھاگ گیا تھا۔ اور وہاں اُس نے خلافت کا سلسلہ پھر قائم کر دیا۔ جو تین سو برس تک قائم رہا۔ اور ۱۸ خلفاء اس خاندان میں گذرے۔ مگر یہ خلافت محض برائے نام تھی۔ ان خلفاء کو دنیاوی اقتدار بالکل حاصل نہیں تھا۔ تاہم ہندوستان کے خاندان مغلیہ کے آخری فرمانرواؤں کی طرح یہ مصر کے دار الخلافہ میں بظاہر کمال شان و شوکت سے بسر کرتے رہے۔ اور مملوک سلاطین اور اکثر دیگر ممالک کے مسلمان فرمانرواان کو مخزن و منبع سعادت و برکت خیال کر کے تخت نشینی کے بعد ان سے فرمانروائی کی باضابطہ اجازت حاصل کیا کرتے تھے۔

فتح مصر کے وقت محمد دوازدہم خلیفہ تھے۔ سلیم نے اوسکو خلافت خاندان عثمانیہ میں منتقل کرنے پر راضی کر لیا اور اُس سے خلافت کے ظاہری نشان یعنی حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا مقدس علم، تلوار اور جبہ لے لئے۔ اور بوقت مراجعت معزول خلیفہ کو اپنے ہمراہ قسطنطنیہ لیتا گیا۔ یورپین مؤرخ سر ایڈورڈ کریسی سابق چیف جسٹس عدالت عالیہ سیلون اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ خلیفہ یعنی نائب رسولؐ رب العالمین، امیر المؤمنین اور امام المسلمین کے مقدس منصب سے سلطان کے اختیار و اقتدار میں جو اضافہ ہو گیا اوسکا اندازہ بڑی آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے عثمانیہ سلاطین کو نہ صرف اپنی سلطنت کے مسلمانوں بلکہ اُن تمام لوگوں پر جو اسلام کے پیرو ہیں خواہ وہ کسی قوم اور کسی ملک کے ہوں باستثناء ایرانیوں اور معدودے چند دیگر اشخاص کے جو اثنا عشریہ[1] عقیدہ رکھتے ہیں اختیار و اقتدار بلکہ غالباً علی سبیل

[1] خدا کا شکر ہے کہ سنہ ۱۸۹۷ء کے جنگ روم و یونان کے موقع پر تمام روئے زمین کے اصحاب تشیع نے سلطنت عثمانیہ کے ساتھ کامل ہمدردی ظاہر کرنے سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اب اون کو بھی گو مذہبی خلافت نہ سہی۔ مگر سلطان المعظم

و تسلط بھی حاصل ہو گیا ہے" سر جارج کیمبل جو ہندوستان میں عہدہ ہائے جلیلہ پر سرفراز رہ چکے ہیں۔ اپنی کتاب میں اس خیال کی بحقارت تردید کرتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ کے ماسوا دیگر ممالک کے سنی مسلمانوں پر بھی سلطان کو بحیثیت خلیفہ کوئی رسوخ حاصل ہے۔ مگر کریسی صاحب متعدد واقعات پیش کرکے سر جارج کے اس خیال باطل کی تصحیح کرتے ہیں۔ میں یہاں اس معاملہ پر تفصیل کے ساتھ کچھ تحریر کرنے کی ضرورت نہیں دیکھتا۔ بست سالہ عہد حکومت امیر المومنین کے آخری ضمیمہ میں اس پر کافی بحث کر چکا ہوں اور ۱۸۷۷ء کے جنگ روم و روس اور ۱۸۹۷ء کے جنگ روم و یونان نے کل دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ جمیع مسلمانان عالم سلطان المعظم کی ذات والا صفات کو کس عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جو لوگ مسلمانوں کے اس پُر جوش اظہار خلوص و عقیدت کے بینی مشاہدوں کے بعد بھی حضرت خلافت پناہی کے اقتدار مذہبی کے وجود سے انکار کریں۔ اونکو سمجھانے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ زمانہ غالباً اونکو عنقریب عملی ثبوت دیدیگا۔

سنہ ۱۵۱۷ء میں سلیم اپنی فاتح فوج مصر سے شام کو واپس لے گیا مال غنیمت کا قیمتی اور زیادہ حصہ گو وہ عثمانیہ بیڑہ پر قسطنطنیہ کو جو اب دار الخلافت عظمیٰ ہو گیا روانہ کر چکا تھا پھر بھی ایک ہزار اونٹ سونے اور چاندی سے لدے ہوئے ہمراہ تھے۔ بیڑہ پر جو غنیمت بھیجی گئی وہ غیر ذی روح اور عارضی دولت کے سامان نہ تھے۔ بلکہ مصر کی اصلی دولت یعنی قاہرہ کے مشہور آفاق نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے صناع اور کاریگر تھے جنکو تبریز کے کاریگروں کی طرح سلیم نے اپنے دار الخلافہ کی رونق و تزئین اور سلطنت کی صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے لئے وہاں بھیجدیا۔ سلیم نے پہلے دمشق اور پھر حلب میں معہ فوج کئی مہینے قیام کیا۔ اس قیام کے دوران میں اُس نے مختلف عرب قبایل کے سرداروں سے اطاعت و فرمانبرداری کی حلف لی۔ اور شام کو قسمتوں میں تقسیم کر کے صوبہ کی مالی اور عدالتی نظم و نسق کا انتظام کیا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ اُس زمانہ میں اوس نے بیت اللہ شریف کا حج بھی کیا۔ مگر اس کی کامل تصدیق نہیں ہوئی۔ آخر کار ان انتظامات سے فارغ ہو کر دو برسوں سے زیادہ کی غیر حاضری کے بعد وہ اگست ۱۵۱۸ء میں قسطنطنیہ کو واپس گیا اور اس عرصہ میں شام مصر اور عرب تین ملکوں کو فتح کر گیا۔ یورپ کو واپس آتے پر اوس نے عیسائی سلطنتوں سے معاہدوں کی پھر تجدید کی۔ ریاست وینس نے جزیرہ قبرس کا خراج جو وہ پہلے مصر کو دیا کرتے تھے سلطان کو دینا منظور کیا۔ شاہ ہسپانیہ نے سلطان سے اقرار لیا کہ شام و فلسطین کو جو عیسائی زائرین جائیں انکی حفاظت کیجائیگی۔ اور شاہ ہنگریا نے میعاد صلح کی توسیع کرالی۔ مگر اس سے سلطان کی جنگی تیاریوں میں کوئی فرق نہ آیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۲ - کی دنیاوی خلافت سے انکار نہیں رہگیا۔ اور وہ حضرت خلافت پناہی کی ذات والا صفات کو دنیا کے مسلمانوں کی امیدوں کا ملجا و ماوا تسلیم کرتے ہیں۔ مؤلف "۔

خشکی کی فتوحات سے فارغ ہو کر سلیم نے بحری طاقت کی درستی و ترقی کیطرف توجہ مبذول کی ۱۵۱۹ء میں اوس نے ۱۵۰ جہاز مختلف جسامت کے تیار کرائے جس میں سے بعض سات سات سو ٹن (ٹن = ۲۸ من انگریزی) وزنی تھے۔ اسی سال ایک سو چھوٹے جنگی جہازوں کو جو سمندر میں ڈالے جانیکے لئے کارخانوں میں تیار تھے مستولوں اور بادبانوں سے مکمل اور سمندر کو جانیکے لئے تیار کرنیکا حکم دیا گیا۔ ساٹھ ہزار فوج کی زبردست جمعیت بمعہ ایک زبردست اور بہت بڑے توپخانہ کے جمع کر کے ایشیاء کوچک میں اس طرح تیار رکھی گئی کہ حکم کا پہلا لفظ صادر ہوتے ہی وہ جنگ میں در آئے بعض کا خیال تھا کہ سلیم ایران پر حملہ عظیم کرنا چاہتا ہے۔ مگر بالعموم یہ یقین تھا کہ ترکی تیاریاں جزیرہ رہوڈس کے لئے ہو رہی ہیں۔ سلیم کو اپنے دادا کی ہزیمت جو اُسے رہوڈس میں ملی فراموش نہیں ہوئی تھی۔ اِس لئے اُس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ جب تک سب سامان بالکل وجوہ تیار نہ ہو جائے۔ حملہ کا نام نہ لیا جائے۔ مگر اوسکے وزیر اس مہم کے لئے بیتاب ہو رہے تھے۔ اور اس شتابکاری پر اونکو اپنے تأمل اندیش اور سخت مزاج آقا سے جھڑکیں لینی پڑیں۔ ایک دن سلطان مورخ سعد الدین کے باپ حسن شان کے ہمراہ مسجد ایوب سے باہر نکلا تو اُس نے ایک نئے اوّل درجہ کے چھوٹے جنگی جہاز کو بندرگاہ میں چکر لگاتے دیکھا۔ اوس نے حکم دے رکھا تھا کہ یہ جہاز سب طرح سے تیار ہو کر تا صدور حکم کارخانہ ہی میں رکھے رہیں اور سمندر نہ اتارے جائیں۔ وہ کشتی کو دیکھکر سخت غضب آلود ہو گیا اور صرف پیری پاشا وزیر اعظم کی منت و سماجت سے امیر البحر کی جان بچی۔ مگر اُس نے اوسی وقت وزراء کو اپنے پاس بُلا کر کہا۔ "تم مجھ سے فتح رہوڈس کے لئے شتابکاری کرانا چاہتے ہو۔ مگر تم کو یہ معلوم نہیں کہ ایسی مہم کے لئے کس قدر انتظام درکار ہے۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اس وقت تم گودام میں کسقدر بارود رکھتے ہو؟" وزیروں سے یہ سوال ایسا اچانک کیا گیا کہ وہ اس کا جواب دینے کیلئے کسی طرح بھی تیار نہ تھے۔ مگر دوسرے دن سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے پاس چار مہینوں کے محاصرہ کے لئے کافی بارود ہے۔ سلیم نے خفا ہو کر جواب دیا۔ "چار مہینوں کیلئے بارود ہوا تو اِس سے کیا ہو سکتا ہے جبکہ اِس سے دُگنی مقدار بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ کیا تم مجھے بھی محمد ثانی کی طرح ذلیل کرانا چاہتے ہو۔ میں ایسی نامکمل تیاریوں سے کبھی لڑائی شروع نہ کرونگا۔ اور نہ رہوڈس کا سفر اختیار کرونگا۔ علاوہ بریں میرا خیال ہے جو سفر میں اب کرونگا وہ سفر عاقبت ہی ہوگا"۔

افسوس سُلطان کی یہ پیشینگوئی پوری اتری۔ وہ ایڈریانوپل کے ارادہ سے قسطنطنیہ سے روانہ ہوا اس وقت اوسکی ران میں دُنبل نکلا ہوا تھا۔ جس نے اوسکو سخت بےچین کر رکھا تھا۔ مگر اطباء کے اصرار و الحاح کے باوجود وہ گھوڑے کی سواری سے باز نہ آیا اور نہ افیون کا کھانا ترک کیا جب وہ ایڈریانوپل